ہر طرف سے آرہے ہیں طالبانِ دردِ دل
یہ مری آہ و فغاں ہے یا اذانِ دردِ دل
خواجہ صاحب

فغانِ دردِ دل

محسن الامت عارف باللہ
حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ
بانی مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار پھولپور اعظم گڈھ

حسبِ ارشاد

پیر طریقت حضرت مولانا شاہ مفتی محمد احمد اللہ صاحب پھولپوری دامت برکاتہم
ناظم اعلیٰ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ، یوپی، الہند

ناشر
اشرفی کتب خانہ
(مرکزی خانقاہ شاہ ابرار) پھولپور اعظم گڈھ یوپی

ہر طرف سے آرہے ہیں طالبانِ دردِ دل
یہ مری آہ و فغاں ہے یا اذانِ دردِ دل

فغانِ دردِ دل

محسن الامت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی **محمد عبد اللہ** صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ

بانی مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار پھولپور اعظم گڈھ

از اجلّۂ خلفاء

محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ **ابرار الحق** صاحب ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ

حسبِ ارشاد

پیر طریقت حضرت مولانا شاہ مفتی **محمد احمد اللہ** صاحب پھولپوری دامت برکاتہم

خلیفہ وجانشین

محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبد اللہ صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ

ناشر: اشرفی کتب خانہ ''مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار'' پھولپور، اعظم گڈھ، یوپی

found.

﴿تفصیلات﴾

نام کتاب: فغانِ دردِ دل

صاحب خطبات: محسن الامت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوریؔ نور اللہ مرقدہٗ

کمپوزنگ: وکیل احمد کوپا گنج، مئو

سنہ طباعت: ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۹ء

تعدادصفحات: ۵۶

تعداداشاعت: ۲۲۰۰

ملنے کے پتے:

(۱) دفتر ''فیضانِ اشرف'' مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی

(۲) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' افضل گڈھ بجنور، یوپی

(۳) ''خانقاہ شاہِ عبداللہؒ'' مکان نمبر 4375 گلی نمبر 21 شانتی محلّہ پرانا سلیم پور دہلی 31

(۴) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' (پنجابی مسجد) نمبر 10 نارتھ رنج کلکتہ-17

(۵) ''خانقاہ شاہِ عبداللہ'' 61/1L تپسیا روڈ کلکتہ-39

(۶) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' 3-19/b# کراس عمر باغ لے آوٹ جے پی نگر بنگلور-78

(۷) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' مدرسہ بیت العلوم اورنگ آباد مہاراشٹر

(۸) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' المنان کمپلیکس تھاوے روڈ گوپال گنج، بہار

E-mail:baitululoom256029@rediffmail.com

www.phoolpuri.org

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۷
	نصابِ تقویٰ	
۲	علم نافع ہی نجات کا ذریعہ ہے	۹
۳	''یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کا ایک عاشقانہ ترجمہ	۱۱
۴	''یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا' سے مخاطب کرنے کی وجہ	۱۱
۵	عاشقِ حقیقی کی پہچان اور اس کی علامت	۱۲
۶	گناہ سے بچنے کا درجہ	۱۲
۷	عاشق حقیقی کی چاہت	۱۳
۸	حضرات صحابہ کرام کے پاس سب سے بڑا تمغا کیا تھا؟	۱۵
۹	ایمان کا دوسرا نام عشق ہے	۱۵
۱۰	''أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ'' کہنے کی وجہ اور اس کی تفسیر	۱۶
۱۱	عاشق کیسا ہوتا ہے؟	۱۶
۱۲	اپنے مولیٰ کی خوشیوں کو پروان چڑھانا ہی محبت کا خلاصہ ہے	۱۷
۱۳	اے مسلمانو! تم تقویٰ والے بن جاؤ!	۱۸

۱۴	متقی، اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے	۱۹
۱۵	متقی بننے کا ایک آسان طریقہ	۲۰
۱۶	متقی بننا دنیا کا سب سے آسان کام ہے	۲۱
۱۷	اپنی زبان سے سچی بات نکالنا، متقی ہونے کی علامت ہے	۲۲
۱۸	''کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' کی تفسیر	۲۳
۱۹	ایک انمول مثال	۲۴
۲۰	ساری کائنات انسان کی نفع رسانی کے لیے پیدا کی گئی ہے	۲۶
۲۱	ایک واضح مثال	۲۶
۲۲	شیخ کامل کی صحبت اختیار کرو	۲۷
۲۳	دین اللہ والوں کی نظر سے پیدا ہوتا ہے	۲۸
۲۴	صحبتِ رجال اللہ کی اہمیت	۲۹
۲۵	شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا واقعہ	۳۰
۲۶	شیخ کامل کا ہونا کیوں ضروری ہے	۳۰
۲۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا راز	۳۰
۲۸	شیخ کامل کی صحبت کی ایک انمول مثال	۳۱
۲۹	صحبت کے متعلق ایک سبق آموز واقعہ	۳۱
۳۰	کارِ انسان اور کارِ انسانیت کا فرق	۳۲
۳۱	شیخ کامل کی صحبت کی ایک دوسری مثال	۳۳

۳۲	اللہ کی محبت، اللہ والوں کے پاس جانے سے ملتی ہے	۳۳
۳۳	شیخ کی مجلس کا ادب	۳۵
۳۴	اے مسلمانو! اللہ کی پکار کا جواب دینے کی فکر کرو!	۳۵
۳۵	ایک اللہ کو خوش کرنے کے لیے صرف ایک ووٹ کی ضرورت ہے	۳۶
۳۶	حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا ایک قول	۳۶
	اتباعِ رسولؐ کے برکات	
۳۷	بے اعتدالی کی ایک مثال	۳۹
۳۸	بے اعتدالی کی دوسری مثال	۴۰
۳۹	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کے لیے نمونہ ہیں	۴۰
۴۰	شرائع، اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ہیں، نبی کا نہیں	۴۰
۴۱	مستحب کی تعریف	۴۱
۴۲	رسول اللہ کی اتباع اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ ہے	۴۲
۴۳	ترکِ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے محرومی کا ذریعہ ہے	۴۲
۴۴	اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کی حکمت	۴۲
	فضائل سورۂ فاتحہ	
۴۵	سورۂ فاتحہ انتہائی بابرکت سورہ ہے	۴۵
۴۶	سورۂ فاتحہ قرآن کا نچوڑ ہے	۴۶
۴۷	قرآن حبل اللہ ہے	۴۶

۴۸	انسان کا اصل ٹھکانہ جنت ہے	۴۷
۴۹	مہمان خانہ کے آداب	۴۸
۵۰	آدم علیہ السلام کو شیطان کا ورغلانا	۴۹
۵۱	جنت کا لباس اتر گیا	۵۰
۵۲	زمین پر نزول	۵۰
۵۳	شیطان جنت میں کیسے داخل ہوا؟	۵۱
۵۴	زبان ایک عظیم نعمت ہے	۵۲
۵۵	آج جھوٹ کا بازار گرم ہے	۵۳
۵۶	جنت میں داخل ہونے کے بعد خروج نہیں ہوگا	۵۴
۵۷	جنت کی نعمتیں ماورائے تصور ہیں	۵۵

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد احمد اللہ صاحب پھولپوری دامت برکاتہم

خلیفہ وجانشین محسن الامت عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب

پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ

تمام علوم شریعت کا سرچشمہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ ہیں۔ حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جہاں ان دونوں رہبرانِ کامل کی کافی وشافی رہبری نہ موجود ہو، مگر ان سے براہِ راست استفادہ انسان کے لیے عادۃً غیر مقدور ہے؛ بلکہ حق تعالیٰ نے ان دونوں چشمہائے حیات سے سیرابی حاصل کرنے کی ترتیب یوں قائم فرمائی کہ اوّلاً حبیب ربّ العالمین، امام الھدیٰ، پیشوائے سبل، ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مطہر کو اپنی تجلیاتِ خاصہ کا مخزن بنایا، پھر اس قلب مجلّٰی کو اپنے کلامِ پاک کے نزول سے مشرف فرمایا۔ چناں چہ جب بھی لسانِ نبوت گویا ہوتی تو نورِ ازل مترشح ہوتا، اور اس کی معجز نما تاثیر سے جہلائے عرب کشتیٔ انسانیت کے کھیون ہار بن گئے۔

دورِ نبوت سے تاحال تقریباً ساڑھے چودہ صدیاں گذر گئیں، چشم فلک نے اَن گنت ایسے انفاسِ قدسیہ کی زیارت کی، جنھوں نے اوّلاً اپنے سینے کو نورِ نبوت سے سجایا، پھر پیغام الٰہی اور تعلیماتِ نبوی سے اکنافِ عالم کو روشناس کرایا، اور عالم ارضی کے چپے چپے کو نور ہدایت سے معمور کیا۔ نیز تاریخ شاہد ہے کہ علومِ نبوت کی اشاعت کا کام حق تعالیٰ

ایسے ہی بندوں سے لیتے رہے ہیں جن کے قلوب محبت اور معرفت کی دولت لازوال سے آباد تھے، اور اخلاص وللّٰہیت کے بھی جامع تھے، ورنہ بدون اخلاص کسی بھی کام میں رضائے الٰہی اور قبولیت نہیں آسکتی۔

محسن الامت شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ سابق ناظم اعلیٰ وشیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ یوپی، از اجلۂ خلفاء محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت ومعرفت کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ حضرت والا علیہ الرحمہ کی مجلسیں خصوصی ہوں یا عمومی، گرمیٔ عشق، نکاتِ معرفت، اسرارِ شریعت اور اقوالِ حکمت سے بھرپور ہوتی تھیں، حاضرین مجلس میں سے ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق ان جواہر پاروں سے محظوظ ہوتا۔

حضرت والا علیہ الرحمہ کے یہ فیوض وبرکات کہیں ضائع نہ ہوجائیں، اس خیال سے ان کو فوری طور پر ٹیپ ریکارڈ اور موبائل وغیرہ کے ذریعہ محفوظ کرلیا گیا، اب بالترتیب ان مواعظ اور خطبات کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا جارہا ہے۔

دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہم تمام اولاد واحفاد اور جملہ متعلقین ومعاونین کو اس اہم کام کی تکمیل کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے، اور اپنی محبت ومعرفت سے پورا پورا حصہ عطا فرمائے۔ (آمین) وما توفیقی الا باللہ۔ والسلام

(مفتی) محمد احمد اللہ پھولپوری غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ

خادم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ (یوپی)

۵؍جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ

نصابِ تقویٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ. وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. ”يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ“(البقرة: ۴۰)
صدق الله مولانا العظيم.

علم نافع ہی نجات کا ذریعہ ہے:

حضرات علمائے کرام، معزز سامعین، نوجوانانِ اسلام، مائیں اور بہنیں!

مجھے آپ لوگوں کے سامنے تھوڑی سی بات عرض کرنی تھی، اور ابھی مولانا صادق صاحب اور مولانا ریاض صاحب جو باتیں سنا رہے تھے، اسی کی مناسبت سے میرے ذہن میں یہ آیت منتقل ہوئی ہے، اور اسی آیت کریمہ کی روشنی میں کچھ باتیں عرض کرنے کا داعیہ پیدا ہوگیا ہے؛ اس لیے دعا کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم مرحمت فرمائے۔

اللہ ربّ العالمین نے اس آیت کریمہ میں اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا“ یعنی اے میرے اوپر ایمان لانے والو! اور اس کا دوسرا

ترجمہ یہ ہے کہ اے مجھ سے معاہدہ کرنے والو! اس لیے کہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ'' (سورۂ بقرہ:۴۰) اپنا عہد پورا کرو! میرا عہد تمہارے لیے پورا پورا ملے گا، تو گویا کہ: ''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا'' سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اے مجھ سے عہد کرنے والو کیوں کہ بندہ ایمان کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے عہد کرتا ہے، جیسے کوئی شخص کسی کے یہاں نوکری کرنے جائے اور مالک اس کو اپنا کام بتادے کہ یہ یہ کام کرنا ہے اور اتنی مزدوری ملے گی اور اس پر دونوں کا معاہدہ اور دستخط ہو جائے تو اسی کا نام عہد ہے، ایسا ہی جب بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ایمان کا تعلق پیدا کرتا ہے تو اللہ سے مالک ہونے اور بڑے ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے احکام کی تکمیل کا معاہدہ کرتا ہے، جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو نوازنے کا وعدہ کر لیتے ہیں، تو چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ایمان کے ذریعہ ہم کچھ کرنے کا معاہدہ کرتے ہیں، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس چیز کا آپ لوگوں نے ہم سے معاہدہ کیا ہے اس کو پورا کرو تب تم انعامات سے نوازے جاؤ گے۔

اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں کہ آپ کی اپنی گاڑی کا ڈرائیور آپ کے سامنے آئے اور آپ اس سے کہیں کہ بھائی سفر میں چلنا ہے، چلو اور جلدی سے گاڑی نکالو! لیکن آپ کے ڈرائیور صاحب کہنے لگے کہ مالک صاحب ہمیں موقعہ نہیں ہے، اب اگر مالک شریف ہوگا تو اس کو سمجھائے گا اور کہے گا کہ بھائی جو تم نے ہم سے عہد کیا ہے، اس کو پورا کرو، تب ہی تو تمہیں اس کا اجر ملے گا اور اس کی تنخواہ ملے گی، ٹھیک اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتے ہیں: کہ اے میرے ساتھ معاہدہ کرنے والو! جب تم نے میرے ساتھ معاہدہ کیا ہے، تو تم میری بات مانو! لہٰذا میں کہتا ہوں ''اِتَّقُوْا اللّٰہَ'' یعنی مجھ سے ڈرنا سیکھو! اپنے اندر ڈر اور تقویٰ پیدا کرو! تاکہ تم میرے حکموں کو سننے کے بعد، ایسا نہ ہو کہ بے

خیالی سے نظر انداز کر جاؤ، اور میں کچھ کہوں تو سنی اَن سنی کر دو!۔

اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مجھ پر ایمان لانے والو اور اے مجھ سے عہد ومعاہدہ کرنے والو! جب تم نے ہم سے عہد کیا ہے، تو اس عہد کو پورا کرو اور تقویٰ والے بن جاؤ! یہ ایک ترجمہ ہوا۔

''یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا'' کا ایک عاشقانہ ترجمہ:

اور دوسرا ترجمہ حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ: ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کا ترجمہ ہے ''اَلَّذِیْنَ عَشِقُوْا'' یعنی اے میرے چاہنے والو، اور اے مجھ سے محبت کا تعلق رکھنے والو، اور اے میرے عاشقو، اور اے میرے ماننے والو! اس لیے کہ محبت میں محبوب کی نافرمانی کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی، ایسا اس لیے کہا گیا ہے کہ ''إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ'' یعنی آدمی جس سے محبت کر بیٹھتا ہے، تو اس کی بات بھی مانتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے محبت بھی کرے، اور اس کی بات بھی نہ مانے، تو یہ محبت کا دعویٰ جھوٹا ہوگا، اور اس کے اس دعوائے محبت کو کوئی تسلیم بھی نہیں کرے گا، تو گویا کہ ''یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا'' کے ذریعہ خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اے میرے چاہنے والو، اور اے میرے عاشقو! تم تقویٰ والے بن جاؤ!

''یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا'' سے مخاطب کرنے کی وجہ:

میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنی محبت کیوں یاد دلائی، اور اپنی محبت کو یاد دلانے کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہی ہے، کہ جب کسی آدمی کو کسی خاص صفت سے یاد کیا جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اس صفت کا مطالبہ ہو رہا

ہے، جیسے کوئی شخص کسی سے یہ کہنے لگے، کہ آپ بڑے بہادر ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس سے بہادری کا کام لینا چاہتا ہے؛ یا کوئی شخص کسی سے کہنے لگے کہ صاحب آپ تو بہت سخی ہیں، اور آپ کی سخاوت ہی کی وجہ سے یہاں آیا ہوں؛ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اس سے سخاوت کرانا چاہتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو محبت کا نام لیا ہے اور مسلمانوں کو محبت کے نام سے یاد کیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس محبت کے تقاضے کو پورا کروانا چاہتے ہیں، اور محبت کے تقاضے کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

عاشق حقیقی کی پہچان اور اس کی علامت:

دیکھیے محبوب کی ناراضگی محبّ اور عاشق کے لیے سب سے بھاری پڑتی ہے، محبّ سوچتا ہے کہ کچھ بھی ہو جائے، لیکن میں محبوب کو ناراض نہیں کر سکتا۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی محبت کے مدعیان اور اپنی محبت کا دعویٰ کرنے والوں پر تقویٰ کو فرض فرما دیا۔ نیز اس دنیا کا بھی یہی دستور ہے، کہ اگر کوئی آپ کا مہمان آئے، تو سب سے پہلے آپ کی فکر یہ ہوتی ہے کہ ہمارا مہمان ناراض نہ ہونے پائے؛ اسی لیے اس کی خوشیوں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، اور جس چیز سے مہمان ناراض ہوتا ہے، اس سے تو آدمی بہت ہی بچتا ہے؛ چاہے خوشی دینے والی چیز ہلکی ہی کیوں نہ ہو، لیکن ناراضگی سے بچنے والی چیز کا معاملہ بڑا ہی اہم ہوتا ہے۔

گناہ سے بچنے کا درجہ:

یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کے مقابلہ میں ترکِ معاصی اور ترکِ منہیات کا درجہ بہت بڑھا ہوا ہے؛ چناں چہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی منہیات کے ایک ذرہ سے بچنا، پوری دنیا کے جنات اور انسان کی عبادت سے افضل

ہے: ''لَتَرْکُ ذَرَّۃٍ مِمَّا نَھَی اللّٰہُ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ'' (الاشباہ والنظائر: ۲۲۳ مکتبہ فقیہ الامت دیوبند) یعنی منہیات کے ایک ذرہ کو چھوڑنا تمام جنات اور تمام انسان کی عبادت سے افضل ہے، لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کا جو تقاضہ ہے، وہ تقویٰ اختیار کرنا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا، یہ محبت کا تقاضہ ہے۔

عاشق حقیقی کی چاہت:

خواجہ عزیز الحسن مجذوب علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

کون کہتا ہے با مرادی کا　　عشق ہے نام نا مرادی کا

یعنی فرمایا کہ یہ کون کہتا ہے، کہ عاشق بامراد ہونا چاہتا ہے؟ فرمایا: نہیں، عاشق تو بے مراد رہنا چاہتا ہے، عاشق چاہتا ہے کہ میرے محبوب کی مراد پوری ہو اور میری مراد پوری نہ ہو، محبت کا اکھاڑا ایک ایسا اکھاڑا ہے، جس میں عاشق کو فتح یابی کی کبھی خواہش نہیں ہوتی، بلکہ اس کے اندر تو ہمیشہ شکست کھانے کا جذبہ ہوتا ہے۔

اسی موقعہ پر حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھی علیہ الرحمہ کا ایک شعر یاد آ گیا، چناں چہ وہ فرماتے ہیں ؎

محبت کی بازی وہ بازی ہے احمدؔ　　جو خود ہار جانے کو جی چاہتا ہے

یعنی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ محبت کی بازی میں جیتنے کا کبھی خیال نہیں آتا، بلکہ اس محبت کی بازی میں تو ہار جانے کو جی چاہتا ہے، کیوں کہ ہارنا ہی سب سے بڑا کام اور ہار جانا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے؛ عاشق تو چاہتا ہے کہ ہم ہار جائیں، اور میرا محبوب جیت جائے۔

چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''وَمَا تَشَاؤُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ'' (التکویر: ۲۹) تم چاہ کے کیا کر سکتے ہو؟ تمہارا چاہا ہوا کبھی نہیں ہوسکتا ہے، تم وہ

چاہو! جو پروردگارِ عالم کی محبت دے کر، یہ سکھایا گیا کہ اپنی چاہتوں کو مولیٰ کی چاہتوں پر پامال کردو، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہشات پر اوران کی پسند پر اپنی پسند اور اپنی خواہش کو قربان کردو! کیوں کہ اگر تم نے اللہ اور رسول اللہ کی پسند کو پسند کرلیا اور حاصل کرلیا، تو تم سے بڑا بہادر اس دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتا، اور تم سے بڑا کامیاب انسان اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔

اب میں اس کی مثال یہ دیتا ہوں: کہ آپ کا جی چاہتا ہے کہ ہم اپنی ڈاڑھی منڈوادیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ تم ڈاڑھی رکھو، اب اگر آپ اپنی ڈاڑھی منڈواتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنی خواہشات کو پورا کرنے والے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی خواہشات کو پورا کرنے والے نہیں ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہتوں پر عمل کرنے والے نہیں ہیں؛ لہٰذا آپ محبت کے دعویٰ میں جھوٹے ہوگئے، کیوں کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ تم ڈاڑھی بڑھا کے آؤ، اور تم چاہتے ہو کہ ہم ڈاڑھی منڈا کے جائیں، اس لیے تم دعوائے محبت میں جھوٹے نکلے اور کذاب نکلے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ تم اپنے سروں پر انگریزی بال نہ رکھو، جب کہ تمہاری چاہت یہ ہے کہ اپنے سر پر انگریزی بال رکھیں۔

اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے جی کو سمجھائے کہ تم ہو کون؟ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تم اپنی پسند کو ان کے پسند پر مقدم کرنے والے ہو کون؟ اور تمہیں حق کیسے پہنچتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کو نظر انداز کر کے اپنی پسند کو جاری کرو! لہٰذا اے مسلمانو! تم اپنی پسند کی بالادستی چاہتے ہو تو تمہارا دعوائے محبت جھوٹا ہوگا۔

حضرات صحابہ کرام کے پاس سب سے بڑا تمغا کیا تھا؟

میرے بھائی! حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس سب سے بڑا تمغا کیا تھا، اوران کی سب سے بڑی ڈگری کیا تھی؟ حضرات صحابہ کرام کا سب سے بڑا تمغا یہی تھا کہ انہوں نے اسی ہاتھ اور پیر سے اپنے اللہ کو راضی کرلیا، اور اسی ہاتھ پیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشیوں کو خرید لیا؛ ان کے یہی جان ومال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشیوں کے خریدار بن گئے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے ذریعہ اپنی خوشی کا اعلان کردیا، اور فرمایا: کہ بھائی تم کمزور ہو، لہٰذا اگر تم کمزور خوشی پیش کروگے تو تمہارے مالک کی خوشی اس سے ڈبل ملے گی؛ لہٰذا اس سے بڑا کامیاب اور اس سے بڑا سمجھ دار شخص کون ہوسکتا ہے، جو اپنی کمزور خوشی کو دے کر اپنے مولیٰ کی طاقت ور خوشی حاصل کرلے، اور اپنی عاجز خوشی کو قربان کرکے اپنے قادر مولیٰ کی خوشی کو حاصل کرلے؛ میرے نزدیک تو اس سے بڑا سمجھ دار کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔

میرے دوستو! اگر ربّ العالمین خوش ہوگا، تو ڈائریکٹ اپنی جنت میں داخل کردے گا، اور حضرات صحابہ کی شان میں ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کہہ کر، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی بات سمجھا دیا، کہ انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرکے بہت بڑی خوشی حاصل کرلی ہے؛ لیکن آج کا مسلمان اپنی شکل وصورت بگاڑ کر یہ سوچتا ہے کہ ہم خوش ہوگئے، اور کامیابی ہمارا مقدر بن گئی؛ حالاں کہ اسے نہیں پتہ کہ خسارہ اس کا مقدر بن چکا ہے۔

ایمان کا دوسرا نام عشق ہے:

بہرحال میں یہ عرض کررہا تھا، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا: ''یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ''یعنی اے میرے چاہنے والو! اور ایمان عشق ہی کا نام ہے؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمن کی تعریف بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ ''یعنی مومن کون ہوتا ہے؟ مسلمان کون ہوتا ہے؟ اور ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا '' کون لوگ ہوتے ہیں؟ فرمایا: ''أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ '' جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا سب سے زیادہ عاشق ہوتا ہے۔

چناں چہ حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ''أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ '' کا معنٰی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا عاشق ہوگیا۔

''أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ '' کہنے کی وجہ اور اس کی تفسیر:

اور حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ نے خود لکھا ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لفظ عشق کو کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا کہ یہ لفظ بازاری ہوگیا تھا، اور انسان کی محبت میں استعمال ہونے لگا تھا، نفس کی خواہشات کے تعلق کے لیے استعمال ہونے لگا تھا؛ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس لفظ کو نظر انداز کر کے اس کے معنٰی کی ادائیگی کے لیے ''أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ '' کی تعبیر اختیار فرمائی، اور حضرات علماء کرام جو یہاں موجود ہیں، وہ بھی جانتے ہیں کہ ''أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ '' سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے عشق کے معنٰی کو بیان فرمایا ہے۔

عاشق کیسا ہوتا ہے؟

عاشق ایسا ہوتا ہے، کہ ایک عاشق جنگل میں جا رہا تھا، اور جاتے جاتے اپنے محبوب کی خوشیوں کے لیے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشیوں کے لیے اس کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا، اور کہنے لگا کہ اے اللہ تیری خوشی کیا ہے؟ اور کس چیز سے تو راضی ہوگا؟ آپ اپنی

خوشیوں کو بتادیں؟ تو میں اس خوشی کو فراہم کردوں؛ تو آواز آئی کہ میری خوشی کے لیے دونوں جہان کو قربان کردو! تب میری خوشی نصیب ہوگی۔ اب بتائیے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، پھر بھی وہ کیا کہتا ہے؟ وہ سنئے اور خوب غور سے سنئے ۔

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ

اے میرے مولیٰ! تونے اپنی خوشی کی یہی قیمت بتائی! یہی دونوں جہان اتنا چھوٹا سا!! کہنے لگا کہ آپ اپنی قیمت بڑھا دیجیے، کیوں کہ بہت سے لوگ اس قیمت کو ادا کرنے کے لیے آگے آجائیں گے، اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ میں ہی تیرے قربان رہوں، لہٰذا اپنی قیمت اور بڑھائیے! اور بڑھائیے! اور بڑھائیے! اے میرے مولیٰ! آپ کا کوئی مول نہیں آپ تو انمول ہیں۔

اپنے مولیٰ کی خوشیوں کو پروان چڑھانا ہی محبت کا خلاصہ ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بالشت کے انسان کے اندر ایسا جوہر رکھا ہے، جس سے وہ مالکِ کائنات اور عرش وکرسی کے خالق ومالک کو راضی کرنے کے لیے تیار ہے؛ کیا یہ معمولی جوہر ہے، جیسے ایک جھاڑو دینے والا، ایک گاڑی کا ڈرائیور اور ایک گھر میں کھانا پکانے والا، اپنے ملک کے وزیرِ اعظم کو اور اپنے صوبے کے وزیرِ اعلیٰ کو خوش کرلیتا ہے، اور یہی انسان اور بھی لوگوں کو بھیا اور چاچا کہہ کر خوش کرلیتا ہے، تو کیا یہی انسان اپنے اعضاء وجوارح کو صحیح استعمال کرنا سیکھ کر اپنے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی نہیں کرسکتا! ان ہی ہاتھ اور پیر سے نیک بخت اور سعادت مند نہیں بن سکتا؟ یقیناً بن سکتا ہے؛ کیوں کہ اس انسان کے اندر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے جو جوہر رکھا ہوا ہے، وہ جوہر یہی ہے، کہ اپنی خوشیوں کو قربان کرنا اور اپنے مولیٰ کی خوشیوں کو پروان چڑھانا یہی محبت کا خلاصہ ہے، اور یہی محبت کا حاصل ہے۔

اے مسلمانو! تم تقویٰ والے بن جاؤ!

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اے عاشقو! اے ایمان لانے والو! اے مجھ سے وعدہ کر کے ایمان میں داخل ہونے والو! جب تم نے وعدہ کیا ہے تو اس وعدہ کو پورا کرو! اور اے میرے چاہنے والو! تم نے جب محبت کا دعویٰ کر دیا ہے، تو اس محبت کا کچھ انداز اپناؤ! اور اپنے محبوب کی قدر و قیمت پہچانو! اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ''اِتَّقُوا اللہَ'' کہ تم میری محبت کے لیے اور میری رضا کے لیے متقی بن جاؤ!۔

اب میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں تا کہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے، تو تقویٰ والے بننے کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے کہ کوئی شخص کسی سے کہے کہ بھائی! تم بادشاہ کے وزیر بن جاؤ! تو وہ کہے گا کہ بھائی صاحب جلدی سے راستہ بتائیے، ہم تو پہلے ہی سے تیار بیٹھے ہیں؛ یا کوئی شخص کسی سے کہے کہ بھائی! آپ اپنے گاؤں کے پردھان بن جائیں، تو وہ کہے گا کہ جب آپ لوگ پردھان بنانے کے لیے تیار ہیں تو کوئی دقت نہیں، ہم تو پہلے ہی سے پردھان بننے کے لیے بیٹھے ہیں، اور لبیک کہنے کے لیے حاضر ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان سے یہ بات بیان فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! تم متقی بن کر میرے وزیر بن جاؤ! جو احکم الحاکمین ہیں، اور بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، تم ان کے وزیر بن جاؤ!۔

جیسے ملک کے باشندوں کے لیے ہر طرح کی سہولیات مثلاً گاڑیاں، بسیں، کھانے پینے کی چیزیں، اور دیگر ضروریاتِ زندگی مہیا رہتی ہیں؛ اب اگر اسی ملک کے باشندوں میں سے ایک باشندہ اور ایک شخص اس ملک کا وزیر بن جائے، تو اس کو ساری نعمتیں بطور خاص ملتی ہیں، اور اعزاز کے ساتھ ملتی ہیں، اور یہی نعمتیں اس کے لیے اس کے پیچھے پیچھے دوڑتی ہیں؛

لیکن آپ یہ بھی بتائیے! کہ لوگ وزیر بننے کے لیے کتنی محنت کرتے ہیں، کیسے لوگوں کا ہاتھ پکڑتے ہیں، اور کن کن لوگوں کا پاؤں پکڑتے ہیں، اور مزید کیسی کیسی سفارش بھی کرانی پڑتی ہے، تب کہیں جا کر جیتتے ہیں؛ اور اس کے بعد بھی نہ معلوم اس کو وہ عہدہ ملتا ہے یا نہیں ملتا؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اے مسلمانو! تم متقی بن کر میرے وزیر بن جاؤ! اس کے لیے نہ تمھیں کسی کے ہاتھ پکڑنے ہوں گے، نہ کسی کے پاؤں پکڑنے ہوں گے، نہ لوگوں سے سفارشیں کروانی پڑے گی، اور نہ لوگوں سے ووٹ حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو نوٹ دینی پڑے گی، بلکہ تم صرف اپنا ووٹ دے دو! تمھیں اپنے بھائیوں کا ووٹ حاصل کرنا نہیں، خاندان کا ووٹ حاصل کرنا نہیں، اور نہ اپنی بیوی کا ووٹ حاصل کرنا ہے۔

الغرض کوئی ووٹ دے یا نہ دے، آپ خود اپنا ووٹ دے دیں، تو آپ وزیر ہوجائیں گے، بادشاہوں کے بادشاہ کا وزیر بن جائیں گے۔

متقی، اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے:

آپ بتائیے! اس سے زیادہ سستا کوئی کام ہوسکتا ہے؟ جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں سے فرمارہے ہیں کہ اے مسلمانو! تم اپنے نفس کی اتباع کرنا چھوڑ دو، شیطان کے پیچھے جانا چھوڑ دو، اور میرے حکموں کے پیچھے آجاؤ! میں تمھیں متقی بنادوں گا؛ اور متقی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اپنا وزیر بنالوں گا، اور وزیر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کائنات کو تمہارے لیے مسخر کردوں گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں ’’وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ‘‘ (الجاثیۃ: ۱۹) یعنی میں تو اپنے متقیوں کا دوست ہوں۔ بھائی! کسی ملک کا وزیر اعظم کسی کے بارے میں اپنا دوست ہونے کا اعلان کردے، تو ڈی ایم اس کا پتہ لگائے گا یا نہیں؟ یا آپ

کے ملک کے وزیرِاعظم یہ اعلان کرادیں کہ اڑیسہ کا رہنے والا فلاں آدمی میرا دوست ہے، تو اڑیسہ کے ڈی ایم، ایس ایس پی اور دیگر محکمۂ جات آپ کے یہاں اس کو تلاش کرنے آئیں گے یا نہیں، کہ وہ کون خوش نصیب شخص ہے، جس کی دوستی کا اعلان ہمارے ملک کے وزیرِاعظم کررہے ہیں؟ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں یہ اعلان فرمارہے ہیں ''وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ'' کہ اللہ تبارک وتعالیٰ متقیوں کا دوست ہے، تو اب اگر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم مسلمان ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دوست بھی بن جاؤ! اے ایمان لانے والو! ذرا ایک قدم آگے بڑھا کر تم متقی بھی بن جاؤ! لہٰذا آپ بتائیں کہ یہ کام کرنے کے لیے اور مزید ترقی کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟

آج یہی فیصلہ کرکے اٹھنا ہے کہ متقی بھی بننا ہے یا صرف مومن ہی رہنا ہے، اور متقی بن کر رہنا چاہتے ہیں یا صرف مسلمان ہی بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔

متقی بننے کا ایک آسان طریقہ:

متقی بننے کے لیے انسان کو کیا کرنا چاہیے؟ تو اس کے متعلق ہمارے حضرت محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں، اور فرمایا کہ تمہارے دو دوست الیکشن میں کھڑے ہوں، اور دونوں آپ کے گاؤں کے ہوں، اور ایک آکر کہنے لگے کہ بھائی ووٹ ہمیں دینا، اور دوسرا بھی آکر کہنے لگے کہ ووٹ ہمیں دینا بھائی! اب ان دونوں میں سے کس کی دوستی اس سے زیادہ ہے؟ اس کا پتہ اس دن چلے گا، جس دن وہ شخص ووٹ دے گا، کیوں کہ جس کی دوستی زیادہ ہوگی، وہ شخص ووٹ اسی کو دے گا۔

اس کے بعد حضرت والا علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ ایسا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے

ہیں کہ یہ کام کرو، اور نفس کہتا ہے یہ کام نہیں کرنا ہے، شیطان کہتا ہے یہ کام نہیں کرنا ہے، اور انسانی شیطان بھی کہتا ہے کہ یہ کام نہیں کرنا ہے؛ تو اب بتائیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ووٹ دینا ہے یا نفس وشیطان کو ووٹ دینا ہے؟ اگر آپ نے نفس وشیطان کو ووٹ دے دیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی دوستی سے آپ کا نام خارج ہوگیا، اور آپ نفس وشیطان کے دوست کہلائے؛ لیکن اگر آپ نے وہی ووٹ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے حکم کو دے دیا، تو یقیناً وہی ووٹ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا دوست بنائے گا، اللہ کا ولی بنائے گا، اور آپ اپنے اسی ووٹ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقرب بن جائیں گے۔

متقی بننا دنیا کا سب سے آسان کام ہے:

میں یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ تقویٰ سے زیادہ آسان کوئی کام نہیں ہے؛ چناں چہ اگر آپ اپنے گھر کے چھوٹے بچوں کو راضی کرنا چاہیں، تو یہ بڑا مشکل کام ہے، اگر آپ اپنی بیوی کو راضی کرنا چاہیں، تو تیسرے دن پھر وہ ناراض ہوجاتی ہے، اور اگر بیوی اپنے شوہر کو راضی کرنا چاہے، تو اس کے لیے یہ بہت بڑا کام ہے، اور دوستوں کو خوش رکھنے کے لیے کتنی فارمیلٹی اختیار کی جاتی ہے، وہ تو معلوم ہی ہے، اور دنیا کے حاکم اور امراء کی خوشیوں کے لیے نہ جانے لوگ کیا کیا نخرے اٹھاتے ہیں، تب جا کر ان کی خوشی نصیب ہوتی ہے، اور نہ جانے کن کو کیا کیا خوراکی دیتا ہے کہ میرا حاکم راضی رہے، کہیں ناراض نہ ہوجائے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رضا کے لیے مسلمانوں سے صرف یہ کہہ دیا کہ تم اپنا ووٹ مجھے دیدو، تو میں تم سے راضی ہوجاؤں گا؛ لیکن افسوس! کہ آج کا مسلمان صرف اپنا ووٹ ایک اللہ کو دینے کے لیے تیار نہیں۔

اپنی زبان سے سچی بات نکالنا، متقی ہونے کی علامت ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو! جھوٹ مت بولو! یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے سچ بولنے کا حکم دیا؛ چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ''یٰٓـــا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا'' (الاحزاب:۷۰)

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم متقی بن جاؤ! اور متقی بننے کی علامت یہ بتائی، کہ تم اپنی زبان کو سچی بات میں استعمال کرو! اس زبان کو جہاں بھی استعمال کرو درست بات کے لیے استعمال کرو! اگر جھوٹ بولنے کی عادت پڑے گی، تو نہ جانے کتنے گناہ کا کام، اور کتنے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی کا کام کر جاؤ گے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت وملامت کے مستحق بن جاؤ گے۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ آپ کو اپنے ہاتھ اور پیر کو صحیح چلانے کے لیے اور اپنے دل ودماغ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکموں پر صحیح طریقہ سے استعمال کرنے کے لیے اس کا ڈھنگ سیکھنا پڑے گا، اور جب سیکھ لیں گے تو یہی زبان سچائی کا ایک انبار اکٹھا کر دے گی، اور آپ کی یہی زبان ذکر وتلاوت کا باعث بن جائے گی، اور آپ کی یہی زبان نیکی کمانے کی ایک بہت بڑی مشین کی حیثیت اختیار کر لے گی، اور اگر آپ اپنی زبان کو صحیح طریقہ سے استعمال کرنا نہیں سیکھیں گے، تو پھر آپ کی اسی زبان سے جھوٹ نکلے گا، اسی زبان سے شرک اور کفر کے کلمات صادر ہوں گے، اور اسی زبان سے لعنت اور ملامت کے الفاظ بھی نکلیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں فرمایا: ''لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا'' یعنی یہودی اپنی زبان کی وجہ سے ملعون بن گئے، اور یہودیوں کو ان کی زبان ہی ملعون بناتی چلی گئی، اور یہی زبان کسی کو مغضوب بھی بناتی چلی گئی، اور یہی زبان کسی کے لیے رحمت کی بارش کا ذریعہ بنتی چلی گئی۔

میرے بھائی! ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس میں فرق یہی ہے کہ ایک نے اپنی زبان کو صحیح طریقہ پر چلانا نہیں سیکھا، اس لیے وہ ملعون اور مغضوب بن گئے، اور دوسرے نے صادقین اور صالحین کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل کی، اس لیے وہ رحمت الٰہی کے مستحق بن گئے۔

''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ'' کی تفسیر:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ '' میں متقی بننے کا کورس بتایا ہے، متقی بننے کا ڈھنگ اور متقی بننے کا راستہ بتایا ہے۔

چناں چہ حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ'' میں جہاں تقویٰ حاصل کرنے کا حکم دیا، اسی جگہ ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ '' میں تقویٰ حاصل کرنے کی جگہ بھی بتادی؛ یعنی جس طرح تقویٰ حاصل کرنے کا حکم دیا، اسی طرح تقویٰ کو حاصل کرنے کی جگہ اور منڈی بھی بتادی۔

نیز ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک کان ہوتی ہے، اور تقویٰ کی کان عارفین کے قلوب ہیں، اور اللہ والوں کے دل ہیں، اس لیے ان کے پاس جب تم جاؤ گے، ان کے صحبت میں تم رہو گے، اور ان کی معیت میں جب تم رہو گے، تو تمہیں اپنے دل کو صحیح استعمال کرنے کا ڈھنگ آئے گا، اپنی زبان کو صحیح استعمال کرنے کا ڈھنگ آئے گا، دل اور دماغ کی سوچ میں تبدیلی آئے گی، ہاتھ اور پیر کا استعمال بدلے گا، اور تمہیں اپنے اعضا وجوارح کو صحیح استعمال کرنا نصیب ہوگا؛ یاد رکھیے! اگر آپ نے اپنے اعضا وجوارح کو صحیح استعمال کرنا نہیں سیکھا، تو یہی اعضا وجوارح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب بن جائیں گے، اور جہنم میں جانے کا یہی ذریعہ بن جائیں گے۔

ایک انمول مثال:

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ پچاس لاکھ کی گاڑی خرید کر لے آئیں، اور آپ کا جوان، چہیتا اور اکلوتا بیٹا آپ سے اس گاڑی کی چابھی مانگے، تو آپ چابھی دیدیں گے؟ بلکہ آپ تو کہیں گے، بیٹا! ابھی تم کو گاڑی چلانے کا ڈھنگ نہیں آیا ہے، اگر بغیر سیکھے چلاؤ گے، تو یہ پچاس لاکھ کی گاڑی تم کو منٹوں میں قبرستان پہونچادے گی۔

لہٰذا یہ گاڑی اگر سیکھ کر چلاؤ گے، تو ہزار ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے تمہیں منزل مقصود تک پہونچادے گی، اور اگر بغیر سیکھے چلاؤ گے، تو منٹوں اور سکنڈوں میں تمہاری موت کا سامان بن جائے گی۔

آپ اپنے بیٹے کو پیار و محبت کی وجہ سے اس گاڑی کی چابھی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں، بلکہ اس کے لیے تو دس ہزار کا ملازم وہ بھی غیر مسلم رکھیں گے، تاکہ وہ گاڑی چلائے، اور آپ اپنے بیٹے سے کہیں گے: ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ '' پر پہلے عمل کرو! تب چابھی ملے گی؛ یعنی اس ڈرائیور کے ساتھ رہو تاکہ تم بھی ڈرائیوری سیکھ لو! کیوں کہ جب اس ماہر ڈرائیور کے ساتھ رہو گے، تو ڈرائیوری سیکھ جاؤ گے؛ اور پریشان نہ ہو! یہ گاڑی تو تمہارے ہی لیے خریدی گئی ہے، اور یہ گاڑی تمہارے ہی کام آنے والی ہے، تو چوں کہ آپ کا چہیتا، اکلوتا بیٹا بغیر سیکھے گاڑی چلانا چاہتا ہے، اس لیے آپ اس کو اپنی گاڑی کی چابھی دینے کے لیے تیار نہیں۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، دیکھو! یہ زبان جو میں نے دی ہے، وہ بڑی قیمتی زبان ہے، اور جو دل دماغ میں نے دیا ہے، وہ بہت قیمتی ہے، اگر تم اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشیاں حاصل کرنا چاہتے ہو تو کر سکتے ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ ان اعضاو جوارح کو چلانا سیکھو! جب ان کو صحیح چلانا سیکھو گے، تو یہی اعضا و جوارح تمہاری خوشیوں کا

سامان بن جائیں گے۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا ووٹ دے کر خوش کیا تھا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسی چیز دے کر خوش کیا تھا؟ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی یہی زبان، اور اپنے یہی ہاتھ پیر، اور اپنے یہی اعضا و جوارح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر اور ان کے اشاروں پر قربان کیے، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشیوں کا باعث بن گئے؛ اور خوشیوں ہی کا باعث نہیں بلکہ امام بخاری علیہ الرحمہ نقل کرتے ہیں کہ ''وَإِنَّہٗ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ''، یعنی اسامہ رضی اللہ عنہ لوگوں میں میرے محبوب ترین انسان ہیں۔

پوری روایت یہ ہے: ''إِسْتَعْمَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أُسَامَۃَ فَقَالُوْا فِیْہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ بَلَغَنِیْ أَنَّکُمْ قُلْتُمْ فِیْ أُسَامَۃَ وَإِنَّہٗ أَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ'' (صحیح البخاری/المغازی/باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ ابن زید الخ: ۲:۶۴۱، الرقم: ۴۴۶۸)

میرے بھائی! وہ اسامہ، غلام اور غلام زادہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین انسان ہوجائے! ان کے اندر کیا چیز تھی؟ ان کے اندر یہی چیز تھی، کہ انہوں نے اپنی زبان چلانے کا ڈھنگ سیکھا، اپنے دلوں کو چلانے کا ڈھنگ سیکھا، اپنی آنکھوں کو اٹھانے کا ڈھنگ سیکھا، ان ہی ہاتھ اور پیر کو چلانے کا ڈھنگ سیکھا، اس لیے ان کے یہی ہاتھ اور یہی پیر نیکی کمانے کی مشین بن گئے؛ اور ان کے یہی ہاتھ پیر جنت میں جانے کا سامان بن گئے۔

لیکن آج ہم نے اپنے سر پر بال رکھنا نہیں سیکھا؛ اس لیے یہی بال ہمارے خلاف وبال بن گیا؛ ہم نے ڈاڑھی رکھنے کا ڈھنگ نہیں سیکھا، اس لیے ڈاڑھی کا منڈوانا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن گیا، اور ہم نے اپنی زبان کو چلانے کا ڈھنگ نہیں سیکھا، اس

لیے جھوٹ بول کراور گالی دے کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت وملامت کے مستحق بن گئے۔

ساری کائنات انسان کی نفع رسانی کے لیے پیدا کی گئی ہے:

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ اے میرے چاہنے والو، مسلمانو! تم صرف مسلمان بن کر نہ رہو بلکہ تم میرے دوست بھی بن جاؤ! اور جب تم میرے دوست بھی بن جاؤ گے، تو سنو! میں نے ساری کائنات تمہاری خوشیوں کے لیے پیدا کی ہے ''وَلَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ'' یعنی زمین وآسمان کی ساری چیزیں تمہاری نفع رسانی کے لیے ہیں؛ مجال کیا ہے کہ تمہیں نفع پہونچانے میں چوک جائے، یہ تو ہر ایک کو نفع پہونچانے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ لیکن ارشاد فرمایا: ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ'' یعنی اللہ والوں کی اور نیک لوگوں کی صحبت میں آیا جایا کرو! آپ کو معلوم ہے، اس سے کیا ہوگا؟ فرمایا کہ ان کی صحبت کی برکت سے ان کا صدق، ان کی سچائی اور ان کی باطن کی خوبیاں، تمہارے اندر منتقل ہوتی جائیں گی۔

ایک واضح مثال:

اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں، کہ جس طرح گلاب کی قلم کاری کی جاتی ہے، تو اس سے گلاب پیدا ہوتا رہتا ہے؛ ایسے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ صادقین کے ساتھ قلم کاری کرتے ہیں؛ یعنی صادقین اور صالحین کی صحبت کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت تک صادقین اور صالحین پیدا کرتے رہیں گے، اور قیامت تک صادقین کو باقی رکھ کر لوگوں کے دلوں کی صفائی کا معالج پیدا کرتے رہیں گے، اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو کچھ آخرت کی تیاری کرنے کا موقع ملتا رہے گا۔

شیخ کامل کی صحبت اختیار کرو!

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

قریب جلتے ہوئے دل کے، اپنا دل رکھ دے
یہ آگ لگتی نہیں ہے، لگائی جاتی ہے

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی آگ لگتی نہیں ہے، بلکہ لگائی جاتی ہے، اور لگانی پڑتی ہے؛ اور وہ کیسے لگائی جاتی ہے؟ تو فرمایا: کہ جس کا دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت سے جل رہا ہو، تم اس کے قریب ہو جاؤ! اور جب قریب ہو جاؤ گے اور صحبت اٹھاؤ گے تو تمہارا بجھا ہوا چراغ بھی اس کی روشنی سے روشن ہو جائے گا، اور اس کی صحبت سے تمہارا چراغ جل جائے گا۔

یہ انسان جلتے ہوئے چراغ کے پاس جائے اور اس کی شاگردی میں آئے تو آہستہ آہستہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لطف ومہربانی سے ایک ایسا جھونکا آئے گا، جس سے اس کا بجھا ہوا چراغ بھی جل اٹھے گا۔ لہٰذا آپ لوگ بتائیے! یہ کوئی ٹیڑھا کام ہے؟ اس سے زیادہ آسان کوئی کام نہیں، اور اس سے زیادہ سہل دنیا کا کوئی کام نہیں؛ لیکن آج کا مسلمان دنیا کا سب سے سہل اور سب سے آسان کام بھی کرنے کے لیے تیار نہیں۔

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں: جیسے میں پھولپور ضلع اعظم گڈھ یوپی سے چل کر اڑیسہ پہونچا، اب میں راستہ میں لوگوں سے معلوم کرتے ہوئے آتا، تو یہ بڑا مشکل کام تھا، لیکن میں نے علاقہ کے جانکار اور ماہر آدمی عرفان صاحب کو پکڑا، اور جب وہ چلے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا، اور منزل تک پہنچ گیا۔ تو اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے سے ملنے کا راستہ بتا دیا ہے؛ اپنے سے ملنے کا راستہ کیا بتایا؟ فرمایا: کہ میرے پاس جو آنے والے ہیں، ان کے ساتھ آنا جانا سیکھو، تو تم بھی آہستہ آہستہ میرے پاس پہنچ جاؤ گے؛ لہٰذا

آپ بتائیے کہ اس سے سہل اور اس سے زیادہ آسان کوئی راستہ ہے؟

اسی کو حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتابگڑھی علیہ الرحمہ نے سمجھایا ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں ۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

یعنی ملنے والوں سے جب راہ اور تعلق پیدا کروگے، تو فرمایا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ آپ کی بھی گاڑی ان کی جگہ پر ہوگی، اور وہ لوگ تم کو بھی بیٹھا کر وہاں لے جائیں گے اور راستہ دکھائیں گے۔

دین اللہ والوں کی نظر سے پیدا ہوتا ہے:

لیکن اگر آپ ان سے تعلق جوڑنا نہ چاہیں، اور ان کی معیت میں نہ رہنا چاہیں، اور ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ'' پر عمل نہ کرنا چاہیں، تو یاد رکھیے گا کہ میاں اور بیوی دونوں ایک دوسرے سے دور رہیں، تو کبھی اولاد پیدا نہیں ہوسکتی؛ اسی طرح جب ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ'' پر عمل نہیں ہوگا، تو صدق وصفا بھی کبھی منتقل نہیں ہوسکتا؛ علم تقویٰ تو حاصل کرسکتے ہیں، لیکن تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا، تقویٰ تو کسی صاحب حال ہی سے حاصل ہوسکتا ہے؛ چناں چہ اکبرالہ آبادی نے کہا تھا ۔

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے، بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہی وجہ ہے کہ اگر تقویٰ صرف کتاب اللہ سے مل جاتا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث نہ فرماتے۔

میرے بھائی! رجال اللہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے، اتنی زیادہ ہے، کہ اللہ تبارک

وتعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائی ہیں، لیکن رجال کتنے بھیجے؟ چناں چہ آسمانی کتابیں اور صحیفے ایک سو چار ہیں، لیکن ان کتابوں کی افہام وتفہیم کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تقریباً سوا لاکھ انبیاء کرام علیہم الصلوٰ والسلام کو بھیجا؛ تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی، کہ رجال اللہ کی تعداد زیادہ ہے، اور کتاب اللہ کی تعداد کم ہے۔

صحبت رجال اللہ کی اہمیت:

دادا جان قطب الاقطاب شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری علیہ الرحمہ نے اس کی مثال یہ دی ہے، کہ دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ کی پوری کتاب ابھی نازل بھی نہیں ہوئی، لیکن جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اول مرحلہ میں پہنچ گئے، وہ لوگ سابقین اولین کہلائے؛ اب جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب مکمل نازل ہوچکی، اور آج بھی پورا قرآن کریم موجود ہے، لیکن سابقون اولون کے مقام ومرتبہ تک بعد کے صحابہ نہیں پہنچ سکتے، اوران کے بعد کے لوگ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گرد وغبار کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

رجال اللہ کی صحبت کی اہمیت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت جس کو زیادہ ملی وہ سابقین اولین بنے رہے؛ لیکن آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں، بلکہ کتاب اللہ پورا موجود ہے، پھر بھی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گرد وغبار کو نہیں پہنچ سکتے: کیا آج تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے لیے کتاب اللہ کی کمی ہے؟ میرے بھائی! کتاب اللہ تو آپ کے پاس چھپی چھپائی رکھی ہوئی ہے، آپ اپنے جھولے میں دیکھیے تو دس دس قرآن شریف موجود ہے، گاؤں اور محلوں میں جا کر دیکھیے تو وہاں پوری الماریاں بھری پڑی ہیں، لیکن کیا کوئی بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے، حضرت اسامہ (غلام زادہ) رضی

اللہ عنہ کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے؟ اور بخاری و مسلم لکھنے والے ائمہ احادیث، حضرات صحابہ کرام کے درجہ کو تو دور کی بات ان کے گرد وغبار کو بھی نہیں پہنچ سکتے؛ آخر ان کو یہ فضیلت کیوں ملی، اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گذاری ہے۔

شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا واقعہ:

شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا تھا، کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درجہ میں اور آپ کے درجہ میں کیا فرق ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جہاد میں نکلے تھے اور ان کے گھوڑے کی ناک پر جو گرد وغبار آئے تھے، تو تم جس کو غوث الثقلین کہتے ہو، وہ اس گرد وغبار کے بھی برابر نہیں ہوسکتا!۔

شیخ کامل کا ہونا کیوں ضروری ہے؟

میں کہتا ہوں کہ رجال اللہ کے بغیر صرف کتاب اللہ سے روشنی حاصل کروگے، تو رجال اللہ کے بغیر کتاب اللہ سے استفادہ، باعث ندامت بن جائے گا؛ چناں چہ قرآن کریم کہتا ہے: ''یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ''یعنی یہی قرآن کریم بہت سارے لوگوں کے لیے گمراہی کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور بہت سارے لوگوں کے لیے ہدایت کا بھی ذریعہ بن جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا راز:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا راز یہی ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو محبت ہے وہ کسی انسان ہی سے منتقل ہوسکتی ہے، کتاب اللہ سے منتقل نہیں ہوسکتی؛ اب اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ '' کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جب صادقین کی صحبت میں رہوگے، تو اس کے دل کی جو محبت اور خوف وخشیت ہے، یہ ایک انسان کی صفت ہے،

کتاب کی صفت نہیں ہے؛ لہٰذا یہ انسانی صفت، انسان ہی سے منتقل ہوگی، اور تمہارے اندر بھی وہی خوف اور وہی خشیت ومحبت منتقل ہوتی چلی جائے گی۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خوف اور شوق کو منتقل کرنے کے لیے یہ حکم دیا کہ میرے صادق اور صالح بندوں کی صحبت میں رہو۔

شیخ کامل کی صحبت کی ایک انمول مثال:

میں ایک مثال دیتا ہوں: کہ بھائی! جیسے ایک انسان کا بچہ انسان بن کر رہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان کی صحبت میں اس کو رکھا جائے؛ ورنہ ایک انسان کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو، اور اس کو لے جا کر جنگل میں رکھ دیا جائے، تو انسان کی طرح نہ چل سکتا ہے، اور نہ انسان کی طرح بول سکتا ہے، اور نہ انسان کی طرح کھا سکتا ہے، بلکہ ایک اصلی انسان اپنی ضروریات کو پورا کرنے میں انسان کی صحبت کا محتاج ہے۔

صحبت کے متعلق ایک سبق آموز واقعہ:

حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک واقعہ لکھا ہے: کہ ایک شیر کا بچہ تھا، جو بکریوں کے ریوڑ میں پالا گیا تھا، اور اسی کے بیچ میں رہتا بھی تھا، اور بکریوں ہی کی طرح کھاتا پیتا تھا؛ ایک مرتبہ پانی پینے چلا گیا تو پانی میں اس کو شیر کی شکل نظر آئی، اور پھر اس کو خیال آیا کہ میں کچھ اور ہوں، پھر جب اپنی شکل دیکھ کر آواز نکالی، تو اس کے اندر سے فطری آواز آئی، اور یہ آواز سنتے ہی ساری بکریاں ڈھیر ہوگئیں۔

میرے بھائی! اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اگر یہ انسان بھی شیخ کامل کی صحبت میں نہ رہے، تو اس کی آبادی جنگل بن جائے گی، پھر یہی انسان جانوروں کی طرح زندگی گزارے گا۔

کارِ انسان اور کارِ انسانیت کا فرق:

انسان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب اور شریعت پندرہ سال تک موقوف رہتی ہے، تاکہ اسے انسان کی طرح چلنا، انسان کی طرح سونا، انسان کی طرح اٹھنا اور بیٹھنا اور انسان کی طرح لباس پہننا آجائے؛ تو معلوم یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی افعال کو ادا کرنے کے لیے پندرہ سال تک انسانوں کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا، تب کہیں جا کر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو مکلّف بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماں اور باپ مہذب ہیں، نیز پورا خاندان شریف ہے، لیکن پانچ سال اور سات سال کا بچہ جب کھانا کھاتا ہے، تو دسترخوان پر کھانے کے کچھ دانے گرا دیتا ہے، اس کے گھر والے اور ماں باپ استنجا خانہ اور پیشاب خانہ میں استنجاء کرتے ہیں، اور وہ کھڑے کھڑے پیشاب کر دیتا ہے، اور بسا اوقات پینٹ ہی کو خراب کر دیتا ہے؛ اس سے معلوم ہوا کہ اس کو ابھی انسان کی صحبت کی ضرورت ہے، اور جب پندرہ سال تک انسان کی صحبت میں رہتا ہے، تب جا کر اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے کا صحیح ڈھنگ نصیب ہوتا ہے، اس کے بعد انسانی اعضا وجوارح سے انسان والے اعمال کرتا ہے۔

میرے دوستو! انسانیت والا کام تو بہت آگے کا ہے، اس کے لیے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ'' کا اصول بتایا ہے، یعنی کسی شیخ کامل کی صحبت میں پندرہ سال اور رہو، اب یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب انسان کی عمر پندرہ سال ہوئی تب اس کو احکام شرعیہ کا مکلّف بنایا گیا؛ اب آپ اپنی زبان سے جھوٹ نہ بولیں، بلکہ سچ بولیں، آپ کسی انسان کے کام میں آئیں، کسی کو نقصان نہ پہونچائیں، اپنے دماغ سے انسانوں کی بھلائی سوچیں، برائی نہ سوچیں، آپ اپنی اس زبان سے کسی کی دل آزاری کا سبب نہ بنیں؛ ان سب باتوں کو سیکھنے کے لیے کسی شیخ کامل کی صحبت کی ضرورت ہے، جس کو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ'' سے سمجھایا ہے۔

شیخ کامل کی صحبت کی ایک دوسری مثال:

ہمارے حضرت والا محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے: کہ دیکھو! ایک ڈاکٹر ہے، جو M.D. اور M.B.B.S کرکے آگیا، لیکن وہ Appendix کا مریض بھی ہے، تو کیا صرف ڈاکٹر بننے سے اس کی وہ بیماری دور ہوجائے گی؟ نہیں، بلکہ اسے تو آپریشن کرانا پڑے گا، تب جاکر اس کی وہ بیماری دور ہوگی؛ ورنہ اس ڈاکٹر کا علم اس کے لیے جان لیوا بھی بن سکتا ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی آدمی تکبر کی بیماری میں مبتلا ہے اور حسد کی بیماری میں مبتلا ہے، تو صرف کتاب پڑھ لینے سے وہ بیماری دور نہیں ہوسکتی، بلکہ اس بیماری کو دور کرنے کے لیے اس کو ''کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ'' پر عمل کرنا پڑے گا، تب جاکر بیماری کا احساس ہوگا، اور تب یہ سمجھ میں آئے گا کہ یہ کیسا انسان ہے اور میں کیسا انسان ہوں؟ تب اس کو اپنی اصلاح کی فکر ہوگی، پھر وہ بھی ایسا ہی انسان بن جائے گا۔

انسان بننے کے لیے جب باپ کی صحبت میں رہنا، انسانی لباس پہننے کے لیے انسانوں کی صحبت میں رہنا، اور انسانوں کی طرح کھانے پینے اور زندگی گزارنے کے لیے انسانوں کی صحبت درکار ہے، تو پھر انسانیت پیدا کرنے کے لیے دس پندرہ سال کسی شیخ کامل کی صحبت درکار ہو تو یہ کونسی غلط بات ہے، یہ کونسی بڑی بات ہے اور کونسی اشکال کی بات ہے؟

اللہ کی محبت، اللہ والوں کے پاس جانے سے ملتی ہے:

میں ایک مثال نقل کرتا ہوں، جس کو حضرت شاہ پرتا بگڈھی علیہ الرحمہ نے اپنی

زبان میں سمجھایا ہے: وہ یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت مل جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مل جائے، اپنی خوشیوں کو قربان کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشیوں پر عمل کرنا ہمیں بھی نصیب ہو جائے؛ لیکن فرمایا کہ ارادہ تو ہے، پر اپنے قدم کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں، تو پھر کام کیسے چلے گا؟ جیسے تمہارے پاس کھیت موجود ہو، بیج موجود ہو اور کھاد بھی موجود ہو، لیکن کھیت میں بیج بونے کے لیے تیار نہیں، اور بیج بونے کے لیے آپ قدم نہ اٹھائیں، تو فصل کاٹنے کے موقع پر فصل کاٹنے جاؤ گے؟

چناں چہ شاہ برتا بگڈھی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

جامِ الفت کیوں ملے، کیونکر ملے، کیسے ملے
آہ! جب جاتے نہیں ہیں، جانب میخانہ ہم

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی شراب جہاں ملتی ہے وہاں تم جاتے ہی نہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت تم کو کیسے نصیب ہوگی، کیوں کر ملے گی، اور کیسے ملے گی، اور جہاں مال مل رہا ہے، وہاں اپنے آپ کو لیجانے کے لیے خود تیار نہیں ہو، تو پھر مال کیسے ملے گا؟ اسی کو سمجھایا ہے ؎

سنو جی بات میری گوش دل سے جو میں کہتا ہوں
میں ان پر مر مٹا تب جا کے گلشن میں بہار آئی

یعنی گلشن دل میں بہار جب آئی، جب میں نے اپنے آپ کو مالک پر قربان کر دیا، اور اس کے اشاروں پر میں نے اپنے آپ کو فنا کر دیا، تب جا کر گلشن قلب کی بہار نصیب ہوئی؛ ورنہ وہاں گئے اور وہاں بھی نفس کی بات پر عمل کرتے رہے، اور شیطان کی بات پر عمل کرتے رہے، تو گلشن قلب میں بہار کیوں کر آئے گی؟

شیخ کی مجلس کا ادب:

جب تک فنائے رائے کی ہمت نہ پایئے　　　　کیوں آپ اہل عشق کی محفل میں آیئے

یعنی اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت سیکھنے کے لیے مجلس میں جارہے ہوتو فرماتے ہیں کہ اپنی رائے کو فنا کر کے جاؤ، اپنی رائے کو گھر میں چھوڑ کر جاؤ، تب جا کر شیخ کا فیض تمہیں ملے گا، ورنہ اپنی رائے کے ساتھ اگر جاؤ گے، تو رائے صاحب بنے رہو گے، اور کچھ بھی فیض حاصل نہیں ہوگا۔

اے مسلمانو! اللہ کی پکار کا جواب دینے کی فکر پیدا کرو!

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جس پیار ومحبت کے ساتھ پکارا ہے، میرے دوستو! اتنے بڑے مالک ہونے کے باجود ہمیں پکارا ہے، اور ہم جواب نہ دیں، وہ ہمیں بلائے اور ہم جواب بھی دینے کے لیے تیار نہ ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکموں کو ماننے کے لیے ہم تیار نہ ہوں، تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہوگا؟ چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں، اے میرے چاہنے والو! دیکھو! تم تقویٰ پیدا کرلو! اپنے اندر میرا خوف پیدا کرلو، جس سے میں تمہیں اپنا دوست بنالوں گا، اور تم میرے ولی اور دوست بن جاؤ گے؛ اور اگر اس کا راستہ ڈھونڈتے ہوتو فرمایا: ''**کونوا مع الصادقین**'' پر عمل کرو! صادقین کے ساتھ رہ پڑو، ان کی معیت میں رہنا سیکھو، ان کے یہاں آتے جاتے رہو، اگر آتے جاتے رہوگے، تو ایک وقت ایسا آئے گا، کہ تم اس کے مثل بن جاؤ گے؛ چناں چہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھی علیہ الرحمہ اسی کو سمجھاتے ہیں ؎

یہاں تک جذب کرلوں، کاش تیرے حسن کامل کو
تجھ ہی کو سب پکار اٹھیں، گزر جاؤں جدھر ہوکر

میرے بھائی! فیض جتنا بھی اٹھالیں، لیکن اپنے کو شیخ کی صحبت میں رہنے دو، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے صدق وصفا کو تمہارے اندر منتقل فرماتے رہیں گے، اس لیے آپ بتائیں کہ اس سے زیادہ کوئی آسان کام ہے؟ اس سے آسان کوئی بھی کام نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائے۔(آمین)

ایک اللہ کو خوش کرنے کے لیے صرف ایک ووٹ کی ضرورت ہے:

ایک اللہ کو خوش کرنے کے لیے ساری دنیا کے ووٹ کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف اپنا ووٹ اللہ تعالیٰ کو دینا ہے، اور اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے صرف اپنے نفس کی خواہشات کو قربان کرنا ہے؛ بس! اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہم راضی کرلیں، وہ تو صرف ایک ووٹ سے راضی ہوجائیں گے، اور اپنا وزیر بنالیں گے؛ اب اگر ان کو راضی کرنے کے لیے ایک ووٹ بھی نہ دیں، تو پھر محبت کا دعویٰ ہم نے کیوں کیا تھا؟ اور محبت کا دعویٰ لے کر کیوں آئے تھے؟ اس لیے آج وعدہ کرلیں کہ کچھ بھی ہوجائے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہم ناراض نہیں کریں گے۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا ایک قول:

جس دن آپ نے یہ وعدہ کرلیا تو حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، کہ آپ کو اس وعدہ ہی پر ولایت نصیب ہوجائے گی، اور اسی وعدہ پر ولایت حاصل ہوجائے گی۔

آپ بتایئے! اگر آپ کا کوئی دوست ہو اور اس نے آپ سے کچھ دینے کا وعدہ کرلیا ہو، تو کیا آپ ان کے وعدہ ہی سے خوش ہوجاتے ہیں؟ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ سے اگر آپ وعدہ کر لیجئے گا، تو وہ اسی وعدہ سے خوش ہوجاتے ہیں۔ چناں چہ شاعر کہتا ہے ؎

شیخ پینے کا ارادہ تو کریں
حوض کوثر سے منگالی جائے گی

جب بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشی کا اور رضا کا ارادہ کرے گا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مدد بھی کریں گے، لیکن اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ بھی نہ کرے، اور نہ اپنے اندر ان کی رضامندی کی فکر پیدا کرے، تو بھائی! اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی کیسے نصیب ہوگی؛ آپ ہی بتایئے!!۔

بہر کیف بات بہت لمبی ہوگئی، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائے، اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفس کو کچلنے کا جذبہ عطا فرمائے۔ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ اپنے نفس کو خوش کرکے کیا کروگے؟ اس کے پاس ہے ہی کیا؟ لہٰذا اگر آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو خوش کرنے کا جوہر اپنے اندر پیدا کرلیا، اور حاصل کرلیا، تو خواجہ صاحب کی زبان میں ؎

جو تو میرا تو سب میرا، فلک میرا زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا، تو کوئی شئ نہیں میری

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین.

اتباعِ رسولؐ کے برکات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ. وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ أَن لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. ’’قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ‘‘ (آل عمران: ۳۱) صدق اللّٰه مولانا العظيم.

میرے محترم بزرگو، اور دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز میں ایک حداعتدال رکھی ہے، اوراس کے مقابل میں دو چیزیں اور ہیں، ایک افراط دوسرا تفریط؛ ایسا ہی انسان کا بھی معاملہ ہے؛ اسی طرح ایک صراط مستقیم ہے، اور ایک صراط مستقیم کا ضد۔ تو جب حداعتدال پر کام ہوتا ہے، تو وہ کام محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے، اور جب وہ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے، تو اس سے آدمی کو نفرت ہونے لگتی ہے؛ مثلاً آپ کا یہ Loud Speaker اپنا اعتدال کھوجائے، اور خوب آواز آنے لگے، تو آپ فوراً اس کو ہٹادیں گے، کیوں کہ آپ کی قوت سماعت اس آواز کی متحمل نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ’’إِنَّ اَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ‘‘ (لقمٰن: ۱۹) اور جب کسی کی بہت خراب آواز نکلتی

ہے، اور وہ بھی بری بات ہو، تو آدمی اس کو سننا نہیں چاہتا؛ اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ارشاد فرماتے ہیں: ''لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ بہت زور سے بری بات بولنے والے کو پسند نہیں فرماتے، کیوں کہ بری بات اور وہ بھی زور سے نہایت ناپسندیدہ ہے۔

تو معلوم یہ ہوا کہ انسان جب صراطِ مستقیم سے ہٹتا ہے، تو اس کے اندر بھی خرابی محسوس ہوتی ہے؛ جیسے گاڑی چل رہی ہو، لیکن اندر سے کھٹ کھٹ کی آواز آنے لگے، تو معلوم ہوگا کہ کچھ خرابی ہے؛ تو ایسے ہی انسان کی دو قسم ہے، ایک تو یہ کہ اس کے اندر اعتدال ہو، اس کے اندر خود اپنی اصلاح کی فکر ہو، اور کوئی غیر شرعی بات ہوجائے، تو فوراً اس کو احساس ہوجائے، اور دوسرا یہ کہ افراط وتفریط والی زندگی گزار رہا ہو؛ اب اللہ تبارک وتعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ یہ انسان صراطِ مستقیم کے ساتھ زندگی گزارے، اس کی زندگی میں نہ تو اخلاق کی خرابی ہو، نہ اعمال کی خرابی ہو، نہ عقائد کی خرابی ہو، نہ معاشرہ کے اندر خرابی ہو، جب وہ ہر قسم کی خرابیوں سے پاک ہوگا، تب ایک اچھا انسان ہوگا، اور اگر کہیں ایک طرف سے بھی اعتدال نہ ہوگا، تو اس کی محبوبیت خطرے میں ہوتی چلی جائے گی۔

بے اعتدالی کی ایک مثال:

اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں: کہ ایک آدمی ہے، جس کو غصہ بہت آتا ہے، لیکن اس کا علاج نہیں کراتا، یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ گاڑی چل رہی ہو، اور اس کی انجن سے کھٹ کھٹ کی آواز آرہی ہو، تو ایسی صورت میں جب ایک مرتبہ گاڑی کو لے گیا، تو دوسری مرتبہ نہیں لے جائے گا، اور یوں کہے گا کہ گاڑی خراب ہوچکی ہے، انجن سے کھٹ کھٹ کی آواز آرہی ہے اور نہ جانے انجن کب فیل ہوجائے، اور یہ گاڑی میری ہلاکت کا ذریعہ بن جائے؛ ایسے ہی ایک انسان جب غصہ کا شکار ہوتا ہے، تو اس کو چاہیے کہ اس کا علاج کرائے؛ اور

علاج صاحب فن ہی کرتا ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ صاحب فن ڈاکٹر کے پاس جائے، اور اس کا علاج کرائے، ورنہ اس کا یہی غصہ اس کی ہلاکت کا ذریعہ بن جائے گا۔

بے اعتدالی کی دوسری مثال:

ہمارے حضرت والا محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئی علیہ الرحمہ بے اعتدالی کی مثال یہ دیا کرتے تھے، کہ دیکھو! دو گھڑی ٹنگی ہو، ان میں سے ایک دس منٹ پیچھے ہو، اور دوسری دس منٹ آگے ہو، تو یہ پیچھے والی قیامت تک دس منٹ پیچھے ہی رہے گی، جب تک اس کی رفتار صحیح اور درست نہ کرالی جائے؛ اور دس منٹ آگے والی قیامت تک دس منٹ آگے رہے گی، جب تک اس کو صحیح اور درست نہ کرلی جائے، اب دس منٹ آگے والی کو پیچھے کرنے کے لیے اور دس منٹ پیچھے والی کو آگے کرنے کے لیے ایک مصلح کی ضرورت ہے، وہ مصلح دونوں کی سوئی پکڑ کر گھمادے گا، تو دونوں صحیح ہوجائیں گی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کے لیے نمونہ ہیں:

ایسے ہی اس انسان کو افراط اور تفریط سے نکالنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک نمونہ عطا فرمایا ہے، اور وہ نمونہ بھی بڑا ہی محبوب ہے، اس نے تو اپنا سب سے بڑا محبوب، سب سے پسندیدہ اور سب سے افضل نمونہ عطا فرمایا ہے۔

جس کا کوئی بدل نہیں، اور جس کی کوئی مثال نہیں، اور سارے مسلمانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دے کر اپنی محبوبیت کا راستہ دکھادیا۔

شرائع، اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ہے، نبی کا نہیں!

اس کی وضاحت میں بتا سکتا ہوں کہ دیکھیے شرائع اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ہیں، یعنی

کسی چیز کو مشروع کرنا، کسی چیز کو جائز اور ناجائز بتانا یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ہے، نبی کا بھی حق نہیں؛ نبی کو یہ حق نہیں کہ جس چیز کو چاہے جائز کرلے، اور جس چیز کو چاہے ناجائز کرلے۔

چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ'' (التحریم: ۱) یعنی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں کرسکتے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ حق نہیں ہے کہ آپ کسی جائز کو ناجائز اور کسی ناجائز کو جائز کردیں؛ معلوم ہوا کہ تحریم اور تشریع یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ہے، مباح اور غیر مباح کرنا یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ہے۔

مستحب کی تعریف:

لیکن اس مباح پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہوجائے گا، تو ایک بار کے عمل سے ہی اس کے اندر محبت منتقل ہوجائے گی، اگر اس حکم پر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں ایک بار بھی عمل کرلیا، تو وہ عمل مستحب بن جائے گا، اور مستحب کہتے ہیں، ہر اس حکم کو جس کا جانب فعل محبوب ہو اور جانب ترک محبوب نہ ہو۔

چناں چہ مستحب کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کے جائز ہونے کی بشارت دیدی، اور اس کے مباح ہونے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا، اور اس پر ایک بار عمل بھی کرلیا، تو ایک بار عمل کرنے کی وجہ سے وہ مباح ہوگیا، اور اگر اس کو بار بار کرتے رہے، تو اس پر بار بار عمل کرنے کی وجہ سے اس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت منتقل ہوتی چلی جائے گی، اور جب محبوبیت منتقل ہوگی تو اس پر عمل کرنے والوں کے اندر بھی وہ صفت منتقل ہوتی چلی جائے گی۔

رسول اللہؐ کی اتباع اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ ہے:

اور وہ محبت کیسے منتقل ہوگی؟ اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ''، یعنی اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کروگے، تو یہ اتباع تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب بنادے گی؛ جیسے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب تھے۔ اب اگر ان کا طریقہ تمہاری زندگی میں آئے گا تو اسی طریقہ کے صدقہ میں تم بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب بن جاؤگے۔

ترکِ سنت، رسول اللہؐ کی سفارش سے محرومی کا ذریعہ ہے:

لیکن لوگ یہ کہہ کر عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ تو صرف سنت ہے، اور یہ تو صرف مستحب ہے؛ جب کہ سنت اور مستحب تو وہ ہے، جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل کو بھی چھوڑنا کتنی محرومی کی بات ہے!۔

اسی لیے علماء لکھتے ہیں: کہ جو شخص مستقل سنت کو چھوڑتا ہو وہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے محروم کردیا جائے گا؛ ظاہر ہے جس کا طریقہ آپ کو پسند نہیں، تو پھر اس کی سفارش کے امیدوار کیوں ہو؟ اور دنیا کا یہ دستور ہے کہ آدمی سفارش اسی شخص کی کرنا چاہتا ہے جس سے محبت ہو، اور تم نے تو رسول اللہ کے طریقہ کو چھوڑ دیا ہے، پھر ان سے محبت کہاں؟ صرف دعوائے محبت ہے، اور اس سے کام چلنے والا نہیں۔

اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کی حکمت:

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے اندر کتنی بے اعتدالیاں ہیں! لیکن ہماری یہ بے اعتدالی ہمیں پتہ نہیں چلے گی، یہ تو مصلح بتائے گا، یا مصلح کے پاس جب رہیں گے، تو

''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ '' کا اثر ظاہر ہوگا، کہ ہماری زبان میں اور شیخ کی زبان میں کتنا فرق ہے، ہمارے اعمال میں اور شیخ کے اعمال میں کتنا فرق ہے؛ یہ جب ہوگا جب ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ '' پر عمل ہوگا، ورنہ اپنی کمیوں کو خوبیاں سمجھ کر شمار کرتے رہیں گے، اسی لیے حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ علامہ خرقانی علیہ الرحمہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی ایک لمحہ بھی اللہ والوں کے پاس رہنا سوسالہ بے ریا عبادت سے افضل ہے۔
اس کا راز کیا ہے؟ چناں چہ حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: کہ صد سالہ کہنا تواضع کی بنا پر ہے، شاعر کا مبالغہ نہیں ہے، لاکھ سالہ بھی اگر کہتا تب بھی مبالغہ نہ ہوتا اور اس کا حق ادا نہ ہوتا؛ کیوں! اس کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہی ہے کہ اگر آپ نے ایک مرتبہ بھی کسی اللہ والے کو دیکھ لیا، تو اب آپ کو ایک صحیح نمونہ مل گیا، پھر آپ اسی نمونہ کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی گزارتے رہیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اپنا مصلح ڈھونڈنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ والے کی صحبت میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین.

فضائل سورۂ فاتحہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ. وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ. اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ". صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمِ.

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، جو سب پر مہربان بہت مہربان ہے، جو روز جزا کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! آپ حضرات سورۂ فاتحہ بار بار پڑھتے ہی رہتے ہیں، اور اس مجلس میں بھی پڑھنے اور سننے کا موقع ملا ہے؛ مجھے تھوڑی سی بات عرض کرنی تھی، بچے کی تلاوت کی برکت سے ذہن بھی ادھر منتقل ہو گیا ہے، دعا فرمائیں میرے جیسے بے ہنر سے بھی اللہ تعالیٰ کوئی علم، کوئی عمل کے لائق بات کہلانا چاہیں، تو ان کی قدرت سے کیا بعید ہے! اور ہم سبھی لوگوں کو اگر عمل کی توفیق دیدیں، تو ان سے کون پوچھنے والا ہے! جو بندہ طلب

گار ہوتا ہے اور چاہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور عطا اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

سورۂ فاتحہ انتہائی بابرکت سورہ ہے:

سورۂ فاتحہ وہ مبارک سورہ ہے، جو قرآن کریم کی سب سے عظیم اور بڑی بابرکت سورہ ہے، اس لیے کہ ایک روایت میں آتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سورۃ الفاتحہ قرآن کے دوثلث کے برابر ہے۔

''عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنہُ يَرْفَعُہٗ اِلَی النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ تَعْدِلُ بِثُلُثَيِ الْقُرْآنِ''۔(الدرالمنثور:۱/۲۳)

اس روایت میں سورۂ فاتحہ کو قرآن کے دوثلث کے برابر جو کہا گیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کو ایک مرتبہ پڑھے گا، تو اس کو قرآن کے دوثلث یعنی بیس پارہ تلاوت کا ثواب ملے گا؛ اب آپ خود ہی اندازہ لگائیے کہ ایک بار سورہ فاتحہ پڑھنے میں مشکل سے ۲ منٹ لگتا ہے، اور ثواب بیس پارہ تلاوت کرنے کا ملتا ہے؛ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ انھوں نے ایسی مبارک سورہ، ہم کو اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں عطا فرمائی ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سورۂ فاتحہ ہر بیماری سے شفاء کا ذریعہ ہے: ''عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ''۔(درمنثور:۱/۲۳)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا گذر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جس کے سر میں درد ہو رہا تھا، کسی نے صحابہ میں سے اس کے کان میں سورۂ فاتحہ پڑھی، اور وہ شخص بالکل تندرست ہو گیا، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سورۂ فاتحہ ام القرآن ہے اور اس میں تمام بیماریوں سے شفاء موجود ہے۔(درمنثور:۱/۲۳)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم سونے کے لیے بستر پر جاؤ اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ لو، تو موت کے علاوہ تمام چیزوں سے مامون ہو گئے۔ (درمنثور: ۱/۲۳)

ایک روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سورۂ فاتحہ تنہا ان تمام چیزوں کے لیے کافی ہو جاتی ہے، جن کے لئے پورا قرآن کافی نہیں ہوتا ہے؛ اور اگر سورۂ فاتحہ کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے، اور پورے قرآن کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے، تو سورۂ فاتحہ والا پلڑا سات گنا بھاری ہو جائے گا۔ (درمنثور: ۱/۲۴)

ایک روایت میں ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے سورۂ فاتحہ کو پڑھا اس نے گویا کہ تورات، انجیل، زبور اور پورے قرآن کو پڑھ لیا۔ (درمنثور: ۱/۲۴)

سورۂ فاتحہ قرآن کا نچوڑ ہے:

علماء لکھتے ہیں: کہ سورۂ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ہے بسم اللہ اور بسم اللہ کا خلاصہ ہے لفظ ''ب'' یعنی خلاصۃ الخلاصہ بسم اللہ ہوا؛ اور بسم اللہ کا خلاصہ ہے ''ب'' اور ''ب'' کے معنی ہیں ''الصاق'' یعنی ملانے کے؛ اس لیے کہ قرآن بھی ملانے ہی کے لیے آیا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن لانے کا مطلب سمجھ میں آ گیا، کہ یہ کلام بندوں سے اللہ کی دوستی، اس کا تعلق پیدا کرنے اور اس کی محبت کو زندہ رکھنے کے لیے آیا ہے۔

قرآن حبل اللہ ہے:

قرآن مقدس حبل اللہ ہے، اللہ کی رسی ہے، اسی کے متعلق قرآن مقدس نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' اس میں حبل اللہ سے قرآن

مقدس مراد ہے؛ حدیث پاک میں بھی حبل اللہ سے قرآن مراد ہونا واضح ہوتا ہے۔اب قرآن مقدس سے جتنا مضبوط رشتہ ہوگا، اتنا ہی آسانی سے اوپر پہونچ جائے گا، اور جتنا تعلق ڈھیلا اور کمزور ہوگا، اتنا ہی بیچ میں گرنے کا اندیشہ ہے، اور اگر نہ بھی گرا تب بھی سانس اوپر نیچے ہوتی رہے گی؛ جیسے کوئی ہوائی جہاز میں بیٹھتا ہے، پھر جب اوپر سے زمین دیکھتا ہے، تو سانس پھولنے لگتی ہے، حالاں کہ کتنی محفوظ جگہ بیٹھا ہے؛ ایسے ہی اس کا حال ہوگا؛ اس لیے قرآن سے رشتے اور تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر رکھنا چاہیے، تا کہ آخرت کی زندگی سکون کے ساتھ گذر سکے اور وہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف اور پریشانی نہ ہو۔

انسان کا اصل ٹھکانہ جنت ہے:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کرنا چاہا، تو سب سے پہلے فرشتوں سے استفسار فرمایا: کہ میں ایک مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں، جو میرا خلیفہ ہوگی روئے زمین پر اور وہ میرے احکام کا نفاذ کرے گی؛ تو اس پر ملائکہ نے جو کچھ اللہ تعالیٰ سے جواب میں کہا، اس کو اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام کی برتری ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کے نام بتلا کر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش کیا، اور فرمایا کہ ان کے نام بتاؤ! تو ملائکہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا؛ حضرت آدم سے پوچھا گیا، تو حضرت آدم نے فوراً تمام اشیاء کے نام بتا دیئے، اس طرح حضرت آدم کی برتری ملائکہ پر ثابت ہوگئی؛ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود بنایا گیا، اور تمام ملائکہ کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو! چناں چہ تمام ملائکہ نے حضرت آدم کو سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے نہیں کیا؛ اس کو اللہ ربّ العزت نے اپنی بارگاہ پاک سے راندۂ درگاہ کر دیا۔ چناں چہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی برتری تمام جہتوں سے تمام مخلوق پر ثابت ہوگئی، تو حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا: ’’وَقُلْنَا يَآ اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ‘‘ (سورۃ البقرۃ:۳۵)

ترجمہ: اور ہم نے کہا کہ اے آدم! رہا کر تو اور تیری عورت جنت میں، اور کھاؤ اس میں جو چاہو، جہاں کہیں سے چاہو! اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم!۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مبارک فرمان کے ذریعہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کو جنت میں رہنے کا پروانہ صادر فرما دیا۔

مہمان خانہ کے آداب:

انسان جب کسی کا مہمان ہوتا ہے تو میزبان اپنے مہمان کے لیے طرح طرح کی سہولیات کا انتظام کرتا ہے، اس کو پتہ ہوتا ہے کہ ہمارے مہمان کو کس بات سے نفع ہوگا اور کون سے سامان سے اس کو نقصان اور ضرر ہو سکتا ہے؛ چناں چہ وہ اس کو اس کے نفع اور ضرر سے آگاہ کر دیتا ہے، اور مہمان کو اپنے میزبان کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کی پابندی کرنی ہوتی ہے، تب اس کو اپنے میزبان کے مہمان خانے سے کما حقہٗ فائدہ ہوتا ہے؛ جنت اللہ تعالیٰ کا مہمان خانہ (Guest Hous) ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء کو اسی میں رہنے حکم دیا اور فرمایا کہ جو چاہو اور جہاں سے چاہو اس میں سے کھاتے رہو، لیکن فلاں درخت کے پاس مت جانا؛ ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے اس کے پاس جانے سے ان کو روک دیا۔

ظاہر ہے کہ اس میں کوئی ایسا مادہ رہا ہوگا، جو حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کو نقصان پہونچا سکتا تھا، چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر سختی سے عمل کیا، اور اس کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، تا کہ رب کی خوشی انھیں حاصل رہے۔

آدم علیہ السلام کو شیطان کا ورغلانا:

اللہ ربّ العزت نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیدیا اور شیطان کو راندۂ درگاہ کردیا، اور اس کے ملعون ہونے کا سبب چوں کہ بظاہر حضرت آدم علیہ السلام ہی تھے، کیوں کہ ان کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جو حکم الٰہی کے طور پر تھا، اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھگا دیا تھا؛ اس لیے شیطان کو یہ بات ایک لمحے کے لئے بھی نہ بھاتی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام عیش وعشرت کے ساتھ جنت میں مزے لوٹیں اور شیطان راندہ درگاہ ہوکر اِدھر اُدھر مارا مارا پھرے؛ اس لیے وہ بہت ہی زیادہ متفکر رہتا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کر کے کسی طرح جنت سے نکلوائے اور اس کو سکون قلبی حاصل ہو، چوں کہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اللہ ربّ العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہماری دشمنی سے آگاہ کررکھا ہے، اس لیے اگر میں ڈائریکٹ اللہ کی نافرمانی کی کوئی بات حضرت آدم سے کہوں گا تو وہ مانیں گے نہیں، اور اس کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ اللہ پاک نے حضرت آدم کو جنت میں ایک درخت کے کھانے سے منع کررکھا ہے، اس نے خیرخواہ اور ناصح کا روپ دھار کر حضرت آدم اور حواء علیہا السلام کو ورغلانے کا کام شروع کیا، تاکہ وہ حضرت آدم اور ان کی محترم اہلیہ حضرت حواء کو جنت سے نکلوا سکے۔ چناں چہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دام فریب میں پھنسایا، اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا بڑا خیرخواہ ہوں ، میری بات سنو! میں تم کو ایک فائدے کی بات بتاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو جو اس درخت سے کھانے سے منع کیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ تم دونوں کو یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں، اس لیے اگر تم چاہتے ہو کہ جنت میں ہمیشہ ہمیش رہو اور یہاں سے کبھی نکالے نہ جاؤ تو اس درخت سے کھالو یہ تم دونوں کو ابدی جنت کا حقدار بنادے گا، چناں چہ

حضرت آدم علیہ السلام نے یہ سن کر اس درخت سے کھالیا، جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا۔

جنت کا لباس اتر گیا:

حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو اس درخت کو ہاتھ لگانا بڑا مہنگا پڑا، سارا عیش وعشرت، آرام وراحت سب رخصت ہوگیا، دونوں کے بدن پر جو جنت کے کپڑے تھے وہ اتار لیے گئے، دونوں کا بدن ننگا ہوگیا اور دونوں اپنے اپنے بدن کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے؛ دونوں کے بدن کا اس طرح ننگا ہوجانا یہ پہلا بدلہ تھا، جو شیطان نے حضرت آدم سے لیا؛ چناں چہ ان دونوں کی جب جنت میں یہ کیفیت ہوگئی، دونوں حیران وپریشان اِدھر اُدھر چھپنے لگے، تو اللہ ربّ العزت نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت کے کھانے سے منع نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تم کو آگاہ نہیں کیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے؟ اس سے ہوشیار رہنا! چناں چہ حضرت آدم اور حواء دونوں نے اپنے جرم پر اپنے رب سے معافی مانگی۔

زمین پر نزول:

اللہ ربّ العزت نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ حضرت حواء علیہا السلام اور شیطان مردود کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یہاں سے نیچے اترو! دنیا میں جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، اور دنیا میں تم کو ہمیشہ نہیں رہنا ہے، بلکہ کچھ مدت تک رہنا ہے، اس کے بعد ہم تمہارے پاس یہاں واپس آنے کے اسباب اتاریں گے، ان کو اپنا کر پھر یہاں واپس چلے آنا۔ چناں چہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام دونوں کو جنت سے نکال دیا گیا، حضرت آدم کو تو اللہ تعالیٰ نے سری لنکا میں اتارا، اور حضرت حواء علیہا السلام کو جدہ میں اتارا۔ اور صاحب روح المعانی کی وضاحت کے مطابق شیطان کو اللہ تعالیٰ نے ابلہ میں اتارا۔ اور اس کی بیوی کے

مقام کے متعلق تین قول ہیں (۱) نصیبین (۲) اصبہان (۳) سجستان۔ (روح المعانی: ۱/۲۷۶)

حضرت آدم علیہ السلام کا اور ان کی بیوی کا جنت سے دنیا میں آنا یہ اس شیطانی دجل وفریب کا نتیجہ ہے، جو شیطان مردود نے ان کے ساتھ کیا، ان سے اپنی ازلی دشمنی کا بدلہ لینے کے لیے۔

شیطان جنت میں کیسے داخل ہوا؟

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام تو جنت میں رہتے تھے، اور شیطان کو اللہ تعالیٰ نے وہاں سے نکال باہر کر دیا تھا، تو شیطان نے حضرت آدم کو کس طرح بہکایا اور وہاں کیسے پہنچا؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

(۱) حضرت آدم اور حضرت حواء کی آزمائش کے لئے شیطان جنت میں داخل ہوا۔

(۲) جنت کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور حضرت آدم اور حواء کو وہاں سے آواز دے کر بلایا، جب دونوں آ گئے تو اس نے دونوں کی حالت کو تباہ و برباد کر دیا۔

(۳) جانور کا روپ دھار کر جنت میں داخل ہوا۔

(۴) خود نہیں گیا، بلکہ اپنے کچھ چیلوں کو بھیج کر ان کو ورغلوایا۔

(۵) حضرت آدم حضرت حواء دونوں جنت میں ٹہل رہے تھے، اچانک ان کے سامنے سے ایک مور گزرا اور جنت کی چہار دیواری پر بیٹھ گیا، جب حضرت حواء نے اس کو دیکھا تو وہ اس کی طرف بڑھیں، ان کے پیچھے حضرت آدم بھی ہو لیے، جب دونوں اس کے قریب ہو گئے تو اس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

(۶) سانپ کی شکل میں جنت میں داخل ہوا۔

(۷) سانپ کے منہ میں بیٹھ گیا اور سانپ نے اس کو نگل کر جنت میں لے جا کر اگل دیا۔ (روح المعانی: ۱/۲۷۵ تفسیر کبیر: ۳/۳۶)

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنی ازلی دشمنی کا بدلہ لیا اور ان کو پھسلا کر ناصح کی صورت میں ان کو جنت سے نکلوا دیا، جیسا کہ وہ چاہتا تھا؛ چناں چہ حضرت آدم مع اپنی اہلیہ جنت سے زمین پر اتار دیئے گئے، اس کے بعد شیطان کیا خاموش بیٹھ گیا، اور اس کے دل کی تسکین ہوگئی، وہ اب کسی اور انسان سے اپنی دشمنی کا بدلہ نہیں لے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہے! خاموش نہیں بیٹھا، وہ آج بھی اپنے کام اور مقصد میں لگا ہوا ہے، کل اس نے حضرت آدم اور حواء کا لباس اتروایا تھا، آج اس نے اولادِ آدم کو ننگا کر دیا ہے؛ ایسے راستے سجھائے ہیں اس نے نفس پرستوں کو، جن کو دیکھ کر انسانیت انگشت بدنداں ہے، حیاء شرم کو خود حیا آتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے!!۔

آج فیشن کے نام پر شیطانی چیلے انسانوں کو ننگا، کھلا گھمانے پر تلے ہوئے ہیں، اور خبریں تو یہاں تک ہیں کہ وہ دنیا جو اپنے آپ کو مہذب کہتی ہے اور ہر وقت اپنی تہذیب دوسروں پر لادنے کی فکر میں رہتی ہے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اربوں کھربوں ڈالر کی رقم خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتی، اس کے لیے ننگا رہنا ہی انسانیت ہے، ان کے مرد اور ان کی عورتیں عام طور پر ایسے لباس کا استعمال کرتی ہیں جو ساتر نہیں ہوتا ہے؛ آئے دن ننگا ہو کر مظاہرہ کرنے کی خبریں آتی رہتی ہیں، کہ فلاں جگہ اتنے ہزار افراد نے مادرزاد ننگے ہو کر حکومت کے خلاف مظاہرہ کیا۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ اسی شیطانی حرکت کا نتیجہ ہے، جو اس نے روزِ اول سے اپنا رکھا ہے، اور اس کی یہ کارستانی صرف لباس ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں اپنا جال بچھایا ہوا ہے۔

زبان ایک عظیم نعمت ہے:

انسان اپنے بدن کے جس حصے کا استعمال آنکھ کے بعد زیادہ کرتا ہے، وہ انسان کی زبان ہے؛ زبان اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے اور اس کو بولنے، سمجھنے، سمجھانے کا سلیقہ

بخشا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے؛ اس کا احساس انسان کو اس وقت ہوتا ہے، جب وہ کسی گونگے انسان کو دیکھتا ہے، تب پتہ چلتا ہے کہ اس کے پاس زبان کی شکل میں اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا عطیہ موجود ہے؛ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنے کا اور بات کرنے کا جب ملکہ عطا کیا تو اس کے ساتھ اس کو سچ بولنے کا بھی مکلّف بنایا اور سچ کے فائدے بھی بتائے گئے۔

چناں چہ ایک روایت میں ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تَحَرَّوا الصِّدْقَ وَاِنْ رَأَيْتُمْ اَنَّ الْهَلَكَةَ فِيْهِ فَاِنَّ فِيْهِ النَّجَاةَ '' (الترغیب والترھیب للمنذری: ٤/٥٥، الرقم: ٤٣٠٦) کہ سچ کو تلاش کرو! اگر چہ تمہیں اس میں ہلاکت معلوم ہو، اس لیے کہ نجات سچ بولنے میں ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انسان جب سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کو اپنی عادت بنالیتا ہے، تو اس کا نام صدیقین میں لکھدیا جاتا ہے۔

آج جھوٹ کا بازار گرم ہے:

آج انسان اپنی زبان کا کتنا Miss Use کرتا ہے، اس کا تجربہ ہر شخص کرسکتا ہے، ہر طرف جھوٹ پھیلا ہوا ہے، کذب و بہتان تراشی عام ہے، جھوٹ اور جھوٹ بولنے والوں کی اتنی بڑی تعداد موجود ہے، کہ اس میں سچا آدمی جھوٹا معلوم ہوتا ہے اور وہ بے چارہ اپنا سر پکڑ کر رہ جاتا ہے، اس کو اپنے سچ کو سچ ثابت کرنے میں لالے پڑجاتے ہیں، لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں، پھر بھی وہ مشکوک ہی رہتا ہے، اور وہ نکّو کی طرح اپنے آپ کو چھپانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

خطبات حکیم الاسلام میں کہیں ایک واقعہ دیکھا تھا کہ ایک گاؤں تھا، اس میں جتنے لوگ رہتے تھے، سب کی ناکیں کٹی ہوئی تھیں، چوں کہ سب ہی ایک جیسے تھے، اس لیے کسی کو بھی کسی کی ہنسی اڑانے کا موقع ہی نہیں تھا، سب آپس میں میل محبت کے ساتھ رہتے تھے؛ اتفاق سے اس بستی میں ایک مرتبہ ایک ایسا آدمی جا پہنچا جس کی ناک صحیح وسالم تھی، اس کا پہنچنا کیا

تھا کہ پوری بستی میں ایک ہنگامہ مچ گیا کہ نکوآ گیا، نکوآ گیا، سب نے اس کو گھیر لیا اور لگے اس کے ساتھ دل لگی کرنے اور اس کو اتنا پریشان کیا کہ اس بے چارے کو وہ بستی چھوڑ کر بھاگنا ہی پڑا۔

جنت میں داخل ہونے کے بعد خروج نہیں ہوگا!

میرے محترم بزرگو اور دوستو! بات چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا تھا، اس لیے کہ جنت میں بیت الخلاء نہیں تھا، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیٹ صاف کرنے کے لیے؛ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو ان کو ساتھ میں یہ بھی ہدایت کردی گئی کہ یہ دنیا آپ کے لیے دائمی ٹھکانا نہیں ہے، دائمی ٹھکانا آپ کا تو وہ ہے جہاں سے آپ نکالے گئے ہیں یعنی جنت؛ اسی لیے ان کے ساتھ ان کو Gide Book دے کر بھیجا گیا کہ اس کو دیکھتے ہوئے پھر سے چلے آنا! وہ Gide Book اور راہنما کتاب کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے: ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا وَّلَاتَفَرَّقُوْا'' پتہ چلا کہ وہ راہنما کتاب، اللہ کا کلام ہے؛ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سونپا ہے، تا کہ وہ جنت کا راستہ بھول نہ جائیں، اور جہاں سے نکالے گئے ہیں دوبارہ وہیں پھر واپس آجائیں، اس لیے کہ دنیا تو محنت ومشقت اور مصیبت وپریشانی کی جگہ ہے، یہاں انسان کو وہ سکون نہیں مل سکتا، جو وہ چاہتا ہے؛ تو جنت سے دنیا میں آیا، یہ انسان تو جنت کو واپس چلا جائے گا لیکن دنیا سے جنت میں جانے کے بعد دوبارہ دنیا میں آنا نہیں ہوگا، اس لئے کہ دنیا میں آنے کے بعد جنت کا دخول دائمی اور ابدی ہوگا۔

چناں چہ ایک روایت میں آتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: کہ اب تم صحت مند رہو گے، تم کو کبھی بیماری نہیں آئے گی، اب تم زندہ رہو گے، کبھی تم کو موت نہیں آئے گی، اب تم جوان ہوجاؤ، اس کے بعد تم کو کبھی بڑھاپا

نہیں آئے گا، اب تم ناز ونعمت، عیش وعشرت میں رہو، اس کے بعد تم کو کبھی رنج وغم نہیں ہوگا؛ روایت کے کلمات یہ ہیں: ''عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ وَّاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُنَادِیْ مُنَادٍ اِنَّ لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا أَبَدًا، وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْیُوْا فَلَا تَمُوْتُوْا أَبَدًا، وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَشُبُّوْا فَلَا تَهْرَمُوْا أَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْأَسُوْا أَبَدًا'' (رواہ مسلم، مشکوٰۃ:۲/۴۹۶)

جنت کی نعمتیں ماورائے تصور ہیں:

جنت کیا ہے، جنت کی نعمتیں کیا ہیں؟ اس کے متعلق ایک روایت سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا؛ روایت میں ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں، جن کو کسی آنکھ نے اب تک نہیں دیکھا، کسی کان نے اب تک نہیں سنا اور کسی انسان کے دل پر ان کا گزر نہیں ہوا؛ اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھو کہ کسی بھی انسان کو نہیں معلوم کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کیا چیزیں تیار کر رکھی ہیں''۔

حدیث شریف کے کلمات مبارکہ یہ ہیں: ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ ''اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ'' (مشکوٰۃ شریف:۲/۴۹۵)

انسان جنت میں کھانا کھائے گا، تو اس کو اس کے کھانے کی وجہ سے وہ تمام ضرورتیں لاحق نہ ہوں گی، جو دنیا میں لاحق ہوتی ہیں، بلکہ اس کی پوری کی پوری غذاء جزو بدن بن جائے گی؛ اگر کھانے کی وجہ سے کسی چیز کی ضرورت بھی ہوگی تو صرف ایک ڈکار کی،

اور انتہائی خوشبودار پسینہ نکلے گا، اور انسان جس طرح دنیا میں سانس لینے سے نہیں تھکتا ہے اور سانس اس کی عادت میں داخل ہے، اسی طرح جنت میں تسبیح اور تحمید اس کی عادت ثانیہ بنا دی جائے گی؛ اور جس طرح ملائکہ تسبیح پڑھتے ہیں، ایسے ہی انسان وہاں پڑھے گا۔

ایک روایت میں بھی اسی طرح کا مضمون بیان کیا گیا ہے، روایت کے کلمات یہ ہیں: ''عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَھْلَ الْجَنَّةِ یَاکُلُوْنَ فِیْھَا وَیَشْرَبُوْنَ وَلَا یَتْفُلُوْنَ وَلَا یَبُوْلُوْنَ وَلَا یَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا یَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَاءٌ وَرُشْحٌ کَرُشْحِ الْمِسْکِ یُلْھَمُوْنَ التَّسْبِیْحَ وَالتَّحْمِیْدُ کَمَا تُلْھَمُوْنَ النَّفَسُ'' (رواہ مسلم مشکوٰۃ:۲/۴۹۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کھائیں گے، اور پئیں گے، وہاں وہ نہ تھوکیں گے، نہ پیشاب پاخانہ کی حاجت ہوگی اور نہ بلغم نکلے گا، تو صحابہ نے پوچھا، کہ پھر کھانا کہاں جائے گا؟ کھانے کا کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ڈکار آئے گی اور مشک کی طرح خوشبودار پسینہ نکلے گا، وہ وہاں سبحان اللہ اور الحمد للہ ایسے پڑھیں گے جیسے تم یہاں سانس لیتے ہو۔

بس! اب باتیں بہت ہوگئیں، کام تو جب بنے گا، جب کہا، سنا عمل میں آجائے، ورنہ ساری تقریریں، ساری تحریریں اور سب جلسے جلوس بے کار دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

دعا کیجیے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا قوی اور صحیح تعلق، اپنی محبت ومعرفت عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین.

09307661904 | 09794332329

مرکزی خانقاہ شاہِ ابرارؒ

بیادگار: شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری علیہ الرحمۃ

مقامی مجلس دعوۃ الحق پھولپور کا پروگرام حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد احمد اللہ صاحب پھولپوری دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی میں ہر جمعرات کو بعد نماز عصر تا عشا منعقد ہوتا ہے، چنانچہ مخصوص لوگوں کی ایک جماعت مقامی باشندوں سے ملاقات کر کے شعائر اسلام پر عمل کرنے کی دعوت دیتی ہے اور بعد نماز مغرب حضرت والا کا ایمان افروز بیان ہونے کے بعد اجتماعی ذکر کی مجلس لگتی ہے، پھر دعاء کے بعد قرآن کریم اور اذان واقامت کی تصحیح کرائی جاتی ہے، نیز سنن نماز، گناہ کبیرہ، گناہ کے نقصانات اور طاعات کے فوائد بھی یاد کرائے جاتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو اس طرح کے پروگرام میں شرکت کرنی چاہئے، خود بھی شریک ہوں اور اپنے عزیز واقارب کو بھی شریک کرنے کی کوشش کریں، ان شاء اللہ اس کی برکت سے گھر میں، محلّہ، گاؤں میں امن وامان قائم ہوگا یاد رہے یہ سلسلہ محسن الامت حضرت مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ کے زمانے سے چلا آ رہا ہے، یہ سارے نظام حضرت والاؒ کے فیوض وبرکات کا نتیجہ ہیں۔ بحمد اللہ آج بھی مرکزی خانقاہ شاہ ابرار میں اصلاح نفس کا کام اسی نظم وضبط سے چل رہا ہے، اور قریب ودور سے آنے والے متعلقین ومریدین باقاعدہ خانقاہ میں رہ کر اپنے اخلاق کی اصلاح کراتے ہیں۔

قارئین! خانقاہ تو درحقیقت ایک روحانی اسپتال ہے، جس میں بگڑے ہوئے دلوں کی اصلاح ہوتی ہے، ذکر اللہ کے ذریعہ سے مالک حقیقی کی محبت پیدا کی جاتی ہے، برے اخلاق سے دور کر کے اچھے اخلاق اور صفاتِ حمیدہ سے مزین کیا جاتا ہے، انسانیت وغم خواری اور ہمدردی کا سبق پڑھایا جاتا ہے، ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی وبھلائی کا جذبہ پیوست کیا جاتا ہے، تاکہ ہر گھر میں دین کے پانچوں شعبے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق زندہ ہو جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس خانقاہ کو اور بانی خانقاہ کے فیوض کو تا قیامت جاری وساری فرمائیں اور خانقاہ میں ہمیں بھی وقت لگا کر اپنے اخلاق کی اصلاح کرانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)